خطبہ جمعہ

۵ شعبان ۱۳۹۷ھ

پریشان کن امروز گنجینہ چست   کہ فردا کلیدش نہ در دست تست



○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہم ○

بعد از خطبہ مسنونہ :-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (پ ۳ ع ۶)

ترجمہ : جو لوگ اپنا مال راہِ خدا میں رات اور دن (اور) پوشیدہ اور آشکارا خرچ کرتے رہتے ہیں سو ان لوگوں کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے۔ نہ ان کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

فضیلتِ انفاق

خدا کی راہ میں اپنا مال صرف کرنا "انفاق فی سبیل اللہ" کہلاتا ہے جو بہت بڑی نیکی اور عظیم کارِ ثواب ہے۔ قرآن اور حدیث میں انفاق فی سبیل اللہ پر بڑا زور دیا گیا ہے اور مُنْفِقِیْن (خرچ کرنے والوں) کی بڑی فضیلت اور تعریف آئی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (پ ۳ ع ۴) ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ کہ سات بالیں۔ ہر بال میں سو سو دانے۔ اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے بڑھاتا ہے اور اللہ ہی وسعت والا جاننے والا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (پ ۳ - ع ۶) جو لوگ اپنا مال راہِ خدا میں رات اور دن (اور) پوشیدہ اور آشکارا خرچ کرتے رہتے ہیں۔ سو اُن لوگوں کے لیے اُن کے پروردگار کے پاس اجر ہے۔ نہ ان کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ نیز اس امر کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ راہِ خدا میں بہتر چیز دیا کرو۔ فرسودہ بے کار اور ایسی چیز نہ دو کہ اگر وہ چیز تمہیں دی جائے تو بُرا محسوس ہو۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کرو گے (کامل) نیکی (کے مرتبہ) کو نہ پہنچ سکو گے۔

اور فرمایا گیا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ ۝ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا

فیہ ۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ٥ (پ ۳ ع ۵)
اے ایمان والو! خدا کی راہ میں اپنی کمائی میں سے اچھی سے اچھی چیز دو اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں۔ اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کروگے۔ حالانکہ تم خود بھی (اس خراب چیز کے) لینے والے نہیں ہو۔ بجز اس صورت کے کہ چشم پوشی ہی کر جاؤ اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے۔

محترم حضرات! یہ حقیقت ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی سعادت وہ خوش قسمت ہی حاصل کر سکتا ہے جس کا دل دنیاوی مال و اسباب کی محبت میں گرفتار نہ ہو۔ جس شخص کے دل میں دنیاوی مال و متاع کی محبت گھر کر چکی ہو۔ وہ انفاق کی سعادت سے کبھی بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

دنیا کو محبوب نہ بناؤ

مسلمانوں کو یہ تلقین فرمائی گئی ہے کہ وہ دنیا کی محبت میں مبتلا نہ ہوں۔ کیونکہ دنیا کی محبت بہت ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ۔ جس کے دل میں دنیوی مال و متاع کی محبت جاگزیں ہو جاتی ہے تو وہ اس کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرتا ہے۔ دھوکہ دیتا ہے، ملاوٹ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے، رشوت لیتا ہے، سود کا کاروبار اختیار کرتا ہے۔ ناپ تول میں کمی بیشی، بددیانتی اور اس طرح کی بہت سی مذموم اور ناجائز افعال کا ارتکاب اس کا روز کا معمول بن جاتا ہے۔ گویا اس پر مال کی محبت و عشق کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ خدا اور نبیؐ کی تعلیمات اور احکام کا اسے قطعاً لحاظ نہیں رہتا۔ وہ آخرت کے حساب اور اپنے افعال بد کے مآل سے غافل ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے بربادی کی دعاء فرمائی گئی ہے۔ تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْھَمِ کہ برباد ہو دینار اور درہم کا بندہ۔

اور قرآن پاک میں ارشاد ہے اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ۔ یعنی مال و دولت کی کثرت اور حرص نے تم کو غفلت میں رکھا۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے۔ جو شخص حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر دنیا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کے لیے آگ ہی آگ ہے۔

اور ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی تمام تر توجہ حصول دنیا پر صرف ہوتی میرا پڑوس اس پر حرام ہے۔

حضرات گرامی قدر! ایسا شخص جس کا دل دنیا کی محبت سے لبریز ہوتا ہے لالچ، حرص اور بخل ایسے باطنی امراض کا شکار رہتا ہے۔ وہ خیرات و صدقات کے ثواب اور فضیلتوں سے محروم رہتا ہے اور حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر دن رات دنیا جمع کرنے میں منہمک رہتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ۔ یعنی جو دنیا کو محبوب رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور ایسے لالچی اور حریص مالدار کی مذمت میں فرمایا گیا ہے — اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔

جو "دنیا" "بندے" سے "خالق" کو ناراض کرنے کا باعث بنے اس کے "ملعون"، "مذموم" اور "مردار" ہونے میں کیا شک ہے؟

بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جو دنیاوی تلذذات و تمتعات میں اتنا مگن ہو جاتا ہے کہ اسے آخرت یاد نہیں رہتی اور موت کو بھول جاتا ہے اور اس حقیقت سے آنکھیں موند لیتا ہے کہ دنیوی مال و اسباب ہمیشہ اس کے پاس نہیں رہیں گے ؎

چوں بنوبت می دہند ایں دولتت
از چہ شد پر باد آخر سلطنت

دنیا کی محبت میں گرفتار بدقسمت کے دل میں مخلوق خدا کی ہمدردی کا جذبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ وہ اپنے لیے تو ہر طرح کا سامان عیش جمع کرتا ہے مگر دوسروں کے بؤس و مسکنت اور احتیاج و ضرورت کا خیال نہیں رکھتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ۔ وہ کامل مؤمن نہیں جو خود تو سیر ہو اور اس

کے پہلو میں اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔

محترم حضرات! حق تعالیٰ

خدا کا محبوب مالدار

کو وہ مالدار محبوب ہوتا ہے جو جائز طریقوں سے کماتا ہو اور پھر جائز مصارف پر صرف کرتا ہو۔ یعنی کماتے وقت بھی خدا اور رسولؐ کے احکام کو ملحوظ رکھتا ہو اور خرچ کرتے وقت بھی۔ ایسے خدا شناس مالدار کی تعریف میں آیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ۔ اللہ ایسے بندے کو دوست رکھتا ہے جو مالدار اور پرہیزگار ہو۔ نیز ایسے ہی خوش نصیب و خوش بخت کے حق میں فرمایا گیا ہے۔ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔

غالباً مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے کہ ؎

مال را کز بہرِ دیں باشی حمول
نعم مال صالح خواندش رسولؐ

تو خدا کو وہی مال پسند ہے جو جائز طریق سے حاصل کیا جاتا ہو اور خدا کی مرضیات پر خرچ کیا جاتا ہو۔ یعنی غلط کاریوں اور ناجائز جگہوں میں استعمال ہونے کے بجائے وہ مال فقیروں اور حاجتمندوں کے کام آتا ہو، مہمانوں کی ضیافت پر صرف ہوتا ہو، جہاد کی ضرورت وغیرہ اُس سے پوری ہوتی ہوں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو شخص ایسے ہیں جو غبطہ (رشک) کے لائق ہیں۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال بخشا ہے اور اُس کو اُس کے حق میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہو۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت و دانائی عطا فرمائی ہو اور وہ اس کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے اور سکھلاتا ہے۔

اگر آپ حضرات صحابہ کرامؓ کے حالات پر غور کریں گے تو واضح ہوگا کہ رسول اللہؐ کے فیضِ صحبت سے ان کے قلوب دنیا کی محبت سے یکسر پاک ہوگئے تھے۔ بلاشبہ وہ تجارت بھی کرتے تھے، مزدوری بھی کرتے تھے مگر یہ سب کچھ اللہ اور رسول اللہؐ کی تعلیمات کے مطابق ہوتا تھا۔ ان کے قلوب میں مال کی محبت کے لیے کوئی جگہ نہ تھی وہ ہر وقت اپنے مال کو راہِ خدا میں لٹانے کے لیے اشارۂ رسولؐ کے منتظر رہتے تھے۔ صحابہ کرام میں بڑے بڑے مالدار ہوئے ہیں مگر وہ اپنے مال کو اپنی ہلاکت و بربادی کا موجب نہ بناتے بلکہ اس کے ذریعہ خداوند پاک کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ اپنی آخرت کو سنوارتے اور زیادہ سے زیادہ مال آگے بھیج کر اپنے لیے ذخیرہ بناتے۔ وہ ایسے مالدار تھے کہ انہیں ہمیشہ بھوکوں اور محتاجوں کی تلاش رہتی۔ مہمانوں کو کھلا کر مسرّت حاصل کرتے۔ جہاد کے لیے سواریاں اور دیگر سامانِ حرب پر مال صرف کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتے۔ یوں سمجھئے کہ وہ کماتے ہی اس لیے تھے کہ اس سے خدا اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل کریں گے۔ بلاشبہ ایسا مال خدا کی "رحمت" اُس کا "انعام" اور اس کا "فضل" ہوتا ہے۔

ہوشمند اور سعادت مند وہ مالدار ہے جو اپنے مال سے آخرت کا سامان کرتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ دنیوی مال و اسباب کو یہیں رہ جانا ہے۔ میرے کام تو صرف وہ آئے گا جسے میں آگے بھیجوں گا۔

ایک دفعہ سرور کائنات علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ تم میں سے کس کو وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پسند ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے اپنا ہی مال زیادہ محبوب نہ ہو۔ فرمایا تو پھر یاد رکھو کہ ہر شخص کا مال وہی ہے جو اس نے آگے بھیج دیا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو اس نے پیچھے چھوڑ دیا۔— مطلب یہ کہ انسان جس مال کو اپنا کہہ سکتا ہے۔ وہ دراصل وہ ہے جو اسے آخرت میں کام آئے گا۔ اور ظاہر ہے کہ آخرت میں وہ مال ہی کام آئے گا جسے خود اپنے ہاتھوں راہ خدا میں خرچ کرکے آخرت کے لیے جمع کیا جائے ؎

زر و نعمت اکنوں بدہ کان تست
کہ بعد از تو بیروں ز فرمان تست

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے بکری ذبح کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا کچھ باقی رہ گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا صرف "کتف" (دست) باقی ہے اس کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا بقی کلّھا

غَیْرَ کَتِفِہَا کہ سب بچ رہا سوائے کتف کے۔ یعنی جو گوشت راہِ خدا میں دے دیا گیا فی الحقیقت وہی باقی ہے جو آگے کام آئے گا۔

تو خدا کی راہ میں خرچ کرنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ جس جس کو حق تعالیٰ نے دولت بخشی ہے۔ اُسے چاہیے کہ وہ نشۂ دولت میں مخمور ہو کر نمرود اور قارون کے طریقوں پر چلنے کے بجائے صحابہ کرامؓ کا طریقہ اپنائے، خدا کا شکر ادا کرے اور نہایت خلوص سے اس کی راہ میں اسے خرچ کرتا رہے۔ محض زکات دے کر ہی خود کو سبکدوش نہ سمجھنا چاہیے۔ زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔ ان فی المال حقا سوی الزکاۃ اس لیے زیادہ سے زیادہ مال خرچ کر کے خود کو اجر و ثواب کا مستحق بنائیں۔

نیکی برباد گناہ لازم

محترم حضرات! بعض لوگوں میں یہ کمزوری اور یہ نقص ہوتا ہے کہ جسے کچھ دیتے ہیں اُسے اپنا زیرِ احسان سمجھتے ہیں۔ اُسے تنگ کرتے ہیں، ذلیل سمجھتے ہیں ـــــ یاد رکھیے۔ اس قسم کی حرکتیں نیکی کو برباد کرنے والی ہیں۔ قرآن مجید ایسی مذموم حرکات سے سختی کے ساتھ منع فرماتا ہے۔ تیسرے پارے میں ارشاد ہے:۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ۔ مناسب بات کہہ دینا اور درگذر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے پروا نہایت تحمل والا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ـــ اے ایمان والو! احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اپنی خیرات کو ضائع نہ کرو۔ جو لوگ خیرات اور صدقہ دینے کے بعد ستاتے نہیں ان کی تعریف میں فرمایا گیا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں، انہیں کے لیے اپنے رب کے ہاں ثواب ہے۔ اور ان پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

حاصل کلام یہ کہ مال کی محبت کو دل میں جگہ نہ دیں اسے راہِ خدا میں خرچ کریں، خوشی اور خلوص سے کریں۔ اور زیادہ سے زیادہ کریں اور خرچ کر کے اپنے اجر و ثواب کو ضائع نہ ہونے دیں۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو رزقِ حلال دے ہم جو کمائیں جائز اور حلال طریقہ سے کمائیں۔ حرام مال سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائیں اور ہمیں وہ اپنے پسندیدہ مصارف میں مال خرچ کرنے کی توفیق بخشے!

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

شب براءت

رسم آتشبازی کی دینی اور دنیوی تباہی

قدیم زمانہ سے دستور ہے کہ ہر ملک ہر شہر ہر قصبہ بلکہ ہر گاؤں میں ہر قسم کی تجارت کے لئے خاص خاص بازار (پینٹھ) قائم کئے جاتے ہیں۔ میلے اور نمائشیں منعقد کی جاتی ہیں جس کی غرض تجارت کی ترقی اور عام لوگوں کے حوائج کا بآسانی پورا ہونا ہے۔ تجارت پیشہ حضرات ان ایام و مواسم کو اہتمام کے ساتھ یاد رکھتے ہیں اُن کے لئے پہلے سے تیاریاں کرتے ہیں اور انہیں ایام کو تجارت کی ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔

پھر یہ بازار کہیں روزانہ صبح و شام کھلتے ہیں اور کہیں ہفتہ وار یا ماہوار اور زیادہ مہتم بالشان نمائشیں سالانہ ہوتی ہیں اسی طرح سمجھئے کہ ہر انسان شریعت کی نظر میں ایک تاجر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

کل یغدو فبائع نفسہ فمعتقھا او موبقھا۔

ہر شخص صبح کو اٹھتا ہے تو اپنے نفس کو فروخت کرتا ہے پھر کوئی اُس کو آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر ڈالتا ہے۔

دنیوی تجارت گاہیں اگر بازار ہیں جن کو حدیث میں ابغض البقاع (سب سے زیادہ مبغوض اور بری جگہ) فرمایا گیا ہے تو اس دینی تجارت کی جگہ مسجدیں ہیں جن کو احب البقاع (سب سے زیادہ محبوب جگہ ۱۲) کا خطاب دیا گیا ہے۔ صبح شام جب کہ ہر شخص اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوتا ہے تو اس منڈی کے ہوشیار تاجر اپنی دکانیں احب البقاع میں جا لگاتے ہیں ؎

علی الصباح چو مردم بکار و بار روند
بلاکشان محبت بکوئے یار روند

اس غیر محسوس تجارت کے لئے بھی ہفتہ وار، ماہوار اور سالانہ نمائشیں مقرر ہیں جن پر اس تجارت کا جزر و مد اور ترقی و تنزل موقوف ہے۔

سب سے بڑی سالانہ نمائش رمضان المبارک میں ہوتی ہے جو تمام مہینہ رہتی ہے اور جس میں لیل و نہار بازار گرم رہتا ہے۔ مال کی نکاس زیادہ اور ہر چیز کی قیمت ستر گنی بلکہ اُس سے بھی کہیں زیادہ اٹھتی ہے۔

بازاروں کو صاف و آراستہ رکھا جاتا ہے۔ اس بازار کے تمام خس و خاشاک (یعنی شیاطین کو ایک طرف کر دیا جاتا ہے اور چھوٹی نمائش ہفتہ وار ہوتی ہے جس کو جمعہ کہا جاتا ہے اور شاید حدیث ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اذا سلمت الجمعۃ سلمت الایام واذا سلمو رمضان سلمت السنۃ۔ (از تفسیر در منثور)

جب جمعہ کا دن سلامتی سے گذر جائے تو سمجھو کہ ہفتہ کے باقی دن بھی سالم رہیں گے اور جب ماہ رمضان سلامت سے گذر جائے تو سمجھ لو کہ سارا سال سلامتی سے گذرے گا۔

ان دونوں کے علاوہ وسط سال میں مختلف مہینوں میں چھوٹی بڑی نمائشیں ہوتی ہیں جن میں سے ایک لیلۃ البرات یا شب برأت بھی ہے

برأت کے معنی لغت میں بری ہونے کے ہیں۔ اس رات میں چونکہ گنہگاروں کی مغفرت ہوتی ہے اسلئے اسے برأت کہتے ہیں۔ اور پھر کثرت استعمال سے شب برأت زبان زد ہوگیا۔ اور یہ شعبان کی پندرھویں رات ہے جو چودہ تاریخ کی شام سے شروع ہوتی ہے۔ اس مبارک رات میں بھی اخروی تجارت کی ایک بڑی نمائش ہوتی ہے۔ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے فضائل و برکات کی شاہد ہیں۔

حدیث ۱: نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ نصف شعبان کی رات میں اپنی تمام مخلوق کی طرف ایک خاص توجہ فرماتے ہیں اور مشرک اور کینہ ور آدمی کے سوا سب کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ اور اس مضمون کو امام احمدؒ نے مسند میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت سے بھی نقل کیا ہے۔ (ترغیب و ترہیب صفحہ ۲۱)

حدیث ۲: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا تو میں تلاش کے لئے نکلی۔ آپ بقیع (قبرستان مدینہ) میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ آج نصف شعبان کی رات ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ اتنے لوگوں کو جہنم سے نجات دے گا جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے بال ہیں (قبائل عرب میں اس قبیلہ کی بکریاں سب سے زائد تھیں) مگر چند بدنصیب شخصوں کی طرف

شب برات بھی ان خرافات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ چھوڑ کر قسم قسم کی لغو رسمیں ایجاد کر لی گئیں جن کو فرائض کی طرح التزام سے ادا کیا جاتا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں۔

رسم آتشبازی اور لاکھوں روپیہ اور بہت سی جانوں کا نقصان

یہ رسم نہ صرف ایک بے لذت گناہ ہے بلکہ اس کی دنیوی تباہیاں بھی ہمیشہ آنکھوں کے سامنے آتی ہیں (۱) ایک تو اپنے مال کا ضائع کرنا اور بے جا اسراف ہے جو دنیا میں بھی علاوہ مذموم ہونے کے ہر قسم کی بربادی ہے اور قرآن کریم ایسے شخص کو شیطان کا بھائی فرماتا ہے۔ آتشبازی پر ہمارے ایک ایک شہر میں قوم کا لاکھوں روپیہ سالانہ ضائع ہوتا ہے۔

افسوس جس قوم کی اقتصادی حالت اس قدر نازک اور خطرناک ہو اور جس کو افلاس نے دوسری قوموں کا غلام بنا کر رکھا ہو اُس کا اتنا روپیہ اس طرح فضول اور بیہودہ رسوم میں ضائع ہو تو اُس کی قومی زندگی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

(۲) اپنی جان کو اور اپنے بچوں کو اور پاس پڑوس کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ ہر سال صدہا واقعات اس قسم کے پیش آتے ہیں کہ گھر کے گھر آتشبازی سے تباہ ہو گئے

(۳) شب برات میں بچوں کو آتشبازی کے لئے پیسے دیئے جاتے ہیں۔ جو بچپن ہی سے انہیں احکام الٰہیہ کی نافرمانی کی تعلیم اور بیہودہ رسوم کا خوگر بناتا ہے۔ (جن کے لئے شرعی حکم تھا کہ ابتداء سے بچوں کو علم و عمل کی تعلیم دو اچھی عادتوں کا خوگر بناؤ) گویا (نعوذ باللہ) شرعی حکم کا پورا مقابلہ ہے (۴) یہ خرافات تو ہر جگہ اور ہر وقت بری ہیں لیکن شب برات میں جب کہ رحمت خداوندی ہر شخص کو توبہ استغفار کی طرف بلا رہی ہے۔ ان واہیات کاموں میں مبتلا ہونا درحقیقت اُس کی نعمت کا ٹھکرانا ہے (والعیاذ باللہ) اور اسی لئے اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ متبرک مقامات اور مبارک اوقات میں جس طرح نیک عمل کا ثواب بڑھتا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

رسم حلوہ: اس کو بھی ایسا لازم کر لیا گیا ہے کہ اس کے بغیر سمجھتے ہیں کہ شب برات ہی نہیں ہوئی۔ فرائض و واجبات کے ترک پر اتنی ندامت افسوس نہیں ہوتا جتنا اس کے ترک پر اور جو شخص نہیں کرتا اس کو کنجوس بخیل وغیرہ کے القاب دے کر شرمایا جاتا ہے جس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ایک غیر ضروری چیز کا فرض و واجب کی طرح التزام کرنا۔

(۲) فضول خرچی وغیرہ وغیرہ اور اس نوایجاد شریعت کے لئے طرح طرح کی لغو ضرورتیں تراشی جاتی ہیں کوئی کہتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب دندان مبارک شہید ہوا تو آپ نے حلوا نوش فرمایا تھا یہ اس کی یادگار ہے اور کوئی کہتا ہے کہ حضرت امیر حمزہ اس تاریخ میں شہید ہوئے تھے اُن کی فاتحہ ہے اول سرے سے یہی غلط ہے کہ دندان مبارک ان دنوں میں شہید ہوا ہو یا حضرت حمزہ اس تاریخ میں شہید ہوئے ہوں۔ کیونکہ دونوں حادثے ماہ شوال میں واقع ہوئے ہیں۔ اور پھر بالفرض اگر ہوں بھی تو اس قسم کی یادگاریں بغیر کسی شرعی امر کے قائم کرنا خود بدعت اور ناجائز ہے اس کے علاوہ یہ عجب طرح کی فاتحہ ہے کہ خود ہی پکایا اور خود ہی کھا گئے یا دو چار اپنے احباب کو کھلا دیا، فقراء و مساکین جو اس کے اصلی مستحق ہیں وہ بیاں بھی دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔ بالخصوص جب کہ واجبات کی طرح التزام ہونے لگے تو ایسی صورت میں مباح بلکہ مستحبات بھی فقہاء کے نزدیک قابل ترک ہو جاتے ہیں۔

چراغاں کی رسم: بعض شہروں میں دستور ہے کہ اس تاریخ میں مسجدوں میں اور مکانات پر بہت زیادہ روشنی کی جاتی ہے اور بہت زیادہ چراغ جلائے جاتے ہیں یہ بالکل کفار کے ساتھ مشابہت اور ہندوؤں کی دیوالی کی نقل ہے جو سخت ناجائز اور حرام ہے۔

قرآن کریم، کفار کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے والوں کو انہیں کی مانند فرماتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ علی ابن ابراہیم فرماتے ہیں کہ اس رات میں زیادہ روشنی کرنا برامکہ سے شروع ہوا ہے۔ یہ لوگ اصل میں آتش پرست تھے۔ جب اسلام لائے تو انہوں نے یہ رسم اسلام میں داخل کی تاکہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے وقت آگ کو سجدہ کریں۔ پھر آٹھویں صدی ہجری میں ان منکرات کا ائمہ ہدیٰ نے خوب قلع قمع فرمایا اور بلاد مصر و شام سے ان رسوم کو مٹا دیا گیا۔ بعض اکابر نے اس کی وجہ سے مسجدوں میں اس رات کو جانا چھوڑ دیا (مدخل) عجب نہیں کہ ہمارے زمانہ کی آتشبازی اُسی کا شعبہ ہو (ماثبت بالسنۃ)

مسجدوں میں اجتماع اور شور و شغب

رات کو جاگنے کے لئے اگر اتفاقاً دو چار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور اپنی نماز و تلاوت میں مشغول رہے تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن بعض شہروں میں اس کو بھی اس حد تک پہنچا دیا گیا ہے کہ اُس کو روکنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً بلا بلا کر اہتمام کے ساتھ مسجدوں میں اجتماع بھی نو ایجاد بدعت ہے۔ صحابہ کرامؓ جن سے زیادہ کوئی عبادت کا شوقین نہیں ہو سکتا کبھی اس طرح جمع نہیں ہوتے تھے اور پھر اس اجتماع کی وجہ سے جو شور و شغب مسجدوں میں ہوتا ہے وہ دوسرا گناہ ہے۔ فرشتے ایسے لوگوں کے لئے بددعا کرتے ہیں جو مسجدوں میں دنیا کی باتیں کریں یا شور مچائیں۔ اس کے علاوہ عالمگیر غفلت اور جہالت کی وجہ سے اور بہت سی باتیں آداب مساجد کے خلاف اور ملائکۃ اللہ کی ایذاء کا باعث ہو کر بجائے

اس رات میں بھی نظرِ عنایت نہ ہوگی، یعنی مشرک اور کینہ ور اور قطع رحمی کرنے والا اور پائجامہ یا تہمد کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔ اور اپنے والدینؓ کی نافرمانی کرنے والا اور شراب نوش۔ یہ حدیث امام بیہقیؒ نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے۔

اس حدیث کے ابتدائی جملے باختلاف الفاظ ترمذی۔ ابن ماجہ ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کئے ہیں۔ اور بیہقی نے بھی ام المومنین حضرت عائشہؓ سے ایک روایت اس طرح نقل کی ہے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تہجد کیلئے کھڑے ہوئے نماز شروع کی اور سجدے میں پہنچے تو اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ خطرہ ہوگیا کہ شاید خدانخواستہ آپ کی روح قبض ہوگئی ہے۔ یہاں تک کہ میں پریشان ہو کر اٹھی اور پاس جا کر آپ کے انگوٹھے کو حرکت دی تو آپ نے کچھ حرکت فرمائی جس سے مجھے اطمینان ہو گیا اور میں اپنی جگہ لوٹ آئی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو تھوڑے سے کلام کے بعد فرمایا تم جانتی ہو کہ یہ کون سی رات ہے میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ خداوند عالم اس رات خاص طور سے اہل عالم کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور مغفرت مانگنے والوں کی مغفرت اور رحم کی دعا کرنے والوں پر رحم فرماتے ہیں مگر آپس میں کینہ رکھنے والوں کو (اس وقت بھی) اپنے ہی حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ (از ترغیب و ترہیب)

حدیث: ابن ماجہ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نصف شعبان کی رات کو جاگو اور نماز پڑھو۔ اور دن کو روزہ رکھو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس رات کو غروب آفتاب کے وقت سے ہی نیچے آسمان پر تجلّی فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ ہم اس کی مغفرت کر دیں۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ ہم اسے رزق دیں۔ یہ صلائے عام اسی طرح برابر جاری رہتی ہے یہاں تک کہ صبح صادق ہو جائے۔ (کذا فی الترغیب ص۲۱)

احادیث مذکورہ کا خلاصہ اور شب برات کے مسنون اعمال

ان احادیث سے جس طرح اس مبارک رات کے بیش بہا فضائل و برکات معلوم ہوئے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے اس رات میں اعمال ذیل مسنون ہیں۔

(۱) رات کو جاگ کر نماز پڑھنا اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہنا۔

(۲) اللہ تعالے سے مغفرت اور عافیت اور اپنے مقاصد دارین کی دعا مانگنا۔

(۳) اس کی صبح کو یعنی پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین سے اس رات میں جاگنا اور اعمال مسنونہ پر عمل کرنا قابل اعتماد روایت سے ثابت ہوا ہے جیسا کہ مواہب اللدنیہ کے آخر میں لکھا ہے اور ابن حاج مکی مدخل ص۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سلف صالحین اس رات کی تعظیم کرتے اور اس کے لئے پہلے سے تیاریاں کرتے تھے۔

نیز ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل گناہ اس قدر سخت ہیں کہ ان کی نحوست اس مبارک رات کی برکات سے بھی محروم کر دیتی ہے۔ (نعوذ باللہ منہا)

۱۔ خدا کے ساتھ کسی کو اس کی ذات یا صفات میں شریک سمجھنا۔

۲۔ کسی مسلمان بھائی سے کینہ رکھنا۔

۳۔ عزیزوں قریبوں کے جو حقوق ہمارے ذمہ ہیں ان کو ادا نہ کرنا ان سے بدسلوکی کرنا (۴) پائجامہ یا تہمد کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔ (۵) والدین کی نافرمانی کرنا۔ (۶) شرابی ہونا (۷) ظلم سے محصول یا رشوت لینا (۸) جادو کرنا (۹) غیب کی خبریں بتلانا۔ فال نکالنا وغیرہ (۱۰) ہاتھ کے خطوط دیکھ کر غیب کی خبریں بتلانا (۱۱) طبل یا طنبور بجانا (۱۲) چوسر کھیلنا۔

شب برات کی بدعات اور ان کی دینی و دنیوی تباہی

اس مبارک رات کے فضائل و برکات لکھنے کے بعد بڑے افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ہماری غفلت و جہالت نے اس ثواب کو عذاب سے اور برکات کو دینی و دنیوی نقصانات سے بدل دیا ہے۔ کبھی مسلمان وہ لوگ تھے کہ ہر شر میں سے کوئی خیر اور ہر برائی میں سے کوئی بھلائی اور نقصان و مضرت کی جگہ سے بھی نفع کما لاتے تھے۔

اور آج ہماری شامت اعمال نے اس طرح کایا پلٹ دی ہے کہ ہر بھلائی کی جگہ سے برائی اور نفع کی جگہ سے بھی نقصان ہمارے حصہ میں آتا ہے ؎

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود
روغن بادام خشکی مے نمود

ابو العتاہیہؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

اذا کان غیر اللہ فی عدۃ الفتی ۔ اتتہ الرزایا من وجوہ الفوائد

یعنی جب آدمی کا بھروسہ خدا کے سوا کسی اور پر ہوتا ہے تو فوائد کی جگہ سے بھی اس کو مصائب سامنے آتے ہیں۔

غرض اپنی شومی اعمال کسی برکت کا حصہ نہیں لینے دیتی بلکہ طرح طرح کی بدعتیں اور قبیح رسمیں ایجاد کر کے ہر ایک برکت کو اپنے لئے مصیبت بنا دیتی ہے۔

نفع کے نقصان و خسران کا سبب بن جاتی ہیں (نعوذ باللہ منہ) الغرض اس رات کے اعمال مسنونہ صرف وہ ہیں جو اُوپر بیان کیے گئے ان کے علاوہ جو کچھ لوگوں نے ایجاد کیا ہے وہ سب بدعات و محرمات اور دینی و دنیوی خسران و بربادی کا باعث ہیں اُن کے کرنے سے بدرجہا بہتر ہے کہ آدمی پیر پھیلا کر سوئے اور کچھ نہ کرے۔

تنبیہ: اس ساری گذارش کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان اُن اُخروی نمائشوں کو غنیمت سمجھ کر اُن سے نفع اٹھائیں اور اس مبارک رات میں اعمال مسنونہ کے ساتھ جاگ کر قبر میں آرام سے سونے کا سامان کریں ؎ (صائبؔ)

باش بیدار در دل شبہا ∴ در لحد چشم خواب اگر داری

اور سمجھ لیں کہ یہ راتیں ہمیشہ میسر نہ ہوں گی ؎

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سایہ تلے

حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سایہ تلے

اور اگر یہ کچھ نہ ہو سکے تو کم از کم اپنے آپ اور اپنے اہل و عیال کو ان گناہوں سے تو بچالیں جو اس مبارک رات میں ثواب سمجھ کر کیے جاتے ہیں۔

اللّٰھم لا تجعلنا من الذین حبطت اعمالھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔

اشاعت قرآن عزیز

بفضلہٖ تعالیٰ انجمن خدام الدین لاہور کو یہ سعادت حاصل ہے کہ مفسرِ قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات اور تفسیرِ قرآن کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کرتی رہی ہے —

الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اراکینِ انجمن کے عزائم میں ایک بار پھر اس کام کو وسیع پیمانہ شروع کرنیکا احساس بیدار کر دیا ہے۔ توکلاً علی اللہ رنگین عکسی قرآن مجید کی طباعت کا کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے باقیات الصالحات میں قرآن عزیز صدقہ جاریہ ہے۔ اس کارِ خیر میں ہر مسلمان کو عموماً اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین کو خصوصاً تعاون کا حق حاصل ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اکابر کو ایصال ثواب کی غرض سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں قرآن عزیز ہدیہ کر سکتا ہے۔ جو حسب ضرورت اپنے احباب و عزیز اور دینی مدارس، مساجد کے طلبار، سکول اور کالج کے طلبار اور جیلخانہ جات کے قیدیوں اور افواج پاکستان کے جیالوں کی تلاوت کے لیے بھی بھجواتے جاسکتے ہیں۔

اہل علم کے قدردان

فَقُمْ بِعِلْمٍ وَّ لَا تَبْغِيْ لَہٗ بَدَلًا

فَالنَّاسُ مَوْتٰى وَاَهْلُ الْعِلْمِ اَحْيَاءٗ

اے علم کے قدر پہچاننے والے! اٹھ اور علم کی خدمت کے لیے تیار ہو جا اور اس کام کا بدلہ نہ چاہ۔ بے شک لوگ مردہ ہیں اور اہل علم زندہ ہیں۔

لَا فَضْلَ اِلَّا لِاَهْلِ الْعِلْمِ اِنَّهُمْ

عَلَى الْهُدٰى لِمَنِ اسْتَهْدٰى اَدِلَّاءٗ

اہل علم کے سوا کسی کو کوئی فضیلت نہیں ہے بیشک اہل علم ہدایت پر ہیں اور طالبانِ علم کے لیے وہی رہنما ہیں۔ (دیوانِ علیؓ)

لاہور سے خانپور اور دینپور شریف تک کا ایک یادگار سفر!

ایڈیٹر کے قلم سے

حافظ الحدیث والقرآن حضرت مولانا عبداللہ درخواستی کا وجود اس دورِ پُر فتن میں "صداقت اسلام" کی نشانی اور اہل حق کے لیے ایک مضبوط "حصار" کی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ کی مجلس میں بیٹھیں تو خدا یاد آجاتا ہے اور اس طرح نبی کریم علیہ السلام کے اس ارشاد کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے جو آپ نے "اچھے بندوں" کے متعلق فرمایا ہے۔

"اچھے بندے وہ ہیں کہ جب ان کو دیکھا جائے
تو خدا یاد آئے۔"

آپ نے جن اربابِ باطن اور ہادیانِ عظیم المرتبت کی آنکھیں دیکھیں، مجلسوں میں بیٹھے اور صحبت تربیت سے فیضیاب ہوئے۔ وہ درحقیقت تھے ہی ایسے لوگ جو خاک کو بھی کیمیا بنا دیتے ہیں بالخصوص حضرت شیخ الشیوخ السید المخدوم میاں غلام محمد صاحب دین پوری قدس اللہ سرہ العزیز کی صحبت نے مرشد۔ درخواستی کو ایسے مقام تک پہنچا دیا کہ آج اہل حق آپ کی ذات کو اپنے لیے نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہیں اور اپنی پریشانیوں میں اس مرد حق آگاہ سے رجوع کرتے ہیں۔

حضرت دین پوری علیہ الرحمۃ کے ہی توجہ دلانے سے آپ نے حدیث خیر الانام کو یاد کرنا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں احادیث کا ذخیرہ آپ کے قلب صافی میں مجتمع ہو گیا۔

حضرت شیخ مین لائن پر واقع مشہور شہر خانپور میں ایک دینی درسگاہ کے بانی و مہتمم ہیں ___ جس کا نام "مخزن العلوم والفیوض" ہے اور حقیقت یہ ہے کہ واقعی علوم و فیوض کا مخزن ہے۔ اس عظیم دینی درسگاہ میں تمام علوم و فنون کی اعلا پیمانہ پر تعلیم ہوتی ہے جس کی آخری کڑی دورہ حدیث ہے۔ حضرت شیخ کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے صاحب فکر و نظر علماء کرام حدیث پاک کی دس کتابوں کا درس دیتے ہیں جو ہمارے مدارس عربیہ کی آخری سٹیج ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ یکم شعبان المعظم سے ۲۷ رمضان المبارک تک دورہ تفسیر کی جماعت کو درس دیتے ہیں جس میں علوم ولی اللّٰہی کا فیضان عام ہوتا ہے۔ اس جماعت میں سینکڑوں طلبہ ہر سال شریک ہوتے ہیں جو ملک کے مختلف حصوں کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی تشریف لاتے ہیں اور گوہر مقصود حاصل کرتے ہیں۔

اس مادر علمی میں دو تقاریب ہر سال اپنی خصوصیات کے اعتبار سے منفرد ہوتی ہیں۔ ایک دورۂ حدیث کے اختتام پر ختم بخاری شریف کی تقریب، دوسری دورۂ تفسیر کی اختتامی تقریب!

یوں تو کئی ایک مواقع پر خانپور حاضری کا اتفاق ہوا اور حضرت نے بے انتہا شفقتوں اور دعاؤں سے نوازا۔ جو میری زندگی کا عظیم سرمایہ ہے تاہم ان تقاریب پر حاضری کی سعادت سے اب تک محروم تھا۔

پاکستان قومی اتحاد کی حالیہ فقید المثال تحریک میں بھی آپ کے مدرسہ کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ اور کیوں نہ ہو۔ آپ اہل حق کی جماعت جمعیۃ علماء اسلام کے امیر و سربراہ اور حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ قدس سرہ سے لے کر امام العلماء حضرت لاہوری علیہ الرحمہ تک جیسے قافلہ سالارانِ حریت کے سچے جانشین ہیں۔ تحریک کے آخری دنوں میں ایف۔ ایس۔ ایف کے غنڈوں نے عین مدرسہ کے اندر گولی بھی چلائی جس میں جمعیۃ طلبہ اسلام سجو کہ۔ کے صدر کے ساتھ ایک اور نوجوان بھی شہید ہوئے اور متعدد لوگ زخمی۔

کچھ دن بعد حضرت کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ جب آپ کو گرفتار کرنے کے لیے پار لوگ آئے تو آپ حدیث کا درس دے رہے تھے۔ فرمایا زندگی کا معمول ہے کہ جب اس مقدس مشغلہ میں مشغول ہوتا ہوں تو پھر اور کوئی بات نظر ہی نہیں جچتی اور جب تک فراغت نہ ہو جائے اِدھر اُدھر آنے جانے یا کسی سے بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فلہٰذا انتظار کیا جائے۔

اور پھر ہر قسم کے اختیارات سے لیس لوگ ایک "فقیر بے نوا" کے لیے انتظار کرنے لگے۔ اس قسم کے واقعات اب کی مرتبہ ختم بخاری کی تقریب میں شمولیت کے لئے تحریک کا باعث بن ہی رہے تھے کہ حضرت کے نواسے برادر عزیز مولوی حبیب الرحمٰن صاحب درخواستی نے خلوص و محبت سے لبریز خط کے ذریعہ وہاں حاضری کا کہا جس سے میرے ارادوں میں اور استحکام پیدا ہو گیا اور جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت الامام، مجاہد فی سبیل اللہ، شیخ اہل صدق وصفا مرشد لاہوری قدس سرہ کے خلف الرشید اکابر کی آنکھوں کے تارے اور صاحب عزم و استقلال مولانا عبید اللہ انور اور خطیب مکرم حضرت مولانا محمد اجمل بھی تشریف لے جا رہے ہیں تو بس عزم بالجزم کر لیا اور متعدد موانعات کے باوجود ہر دو بزرگوں کی رفاقت میں ۲۶ر رجب المرجب جمعرات کی شام ۸ بجے کراچی ایکسپریس کے ذریعہ اس روحانی و علمی سفر کی ابتدا ہوئی۔ گوجرانوالہ کے بعض دوست جنہیں حضرت الامام انور سے بہت زیادہ تعلق خاطر ہے وہ بھی ساتھ تھے۔

یوں تو وطن عزیز میں قدم قدم پر بے پناہ مشکلات کا احساس ہوتا ہے لیکن جب کبھی سفر کی نوبت آتی ہے تو اڈوں اور سٹیشنوں پہ مشکلات کی کیفیت سوا ہی ہوتی ہے۔ سٹیشنوں پر قلیوں سے لے کر اوپر تک کا عملہ جس طرح لوٹ مار کرتا ہے وہ ایک ایسی اندوہناک داستان ہے جو بلاشبہ ہمارے جسد ملی کو سرطان کی طرح ناکارہ کر رہی ہے۔ انسانیت کے روپ میں جس درندگی اور لوٹ مار کا مظاہرہ ہوتا ہے اس پہ آنکھیں خون کے آنسو بہانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

بہرحال سفر کرنا تھا کیا، عشاء اور فجر کی نمازیں گاڑی میں ادا ہوئیں۔ حیرانی ہوتی ہے کہ ایک نظریاتی مملکت میں "نماز" جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کتنا مشکل امر ہے۔ محکمہ ریلوے جو صاحبان اقتدار کی خوشنودی طبع کے لئے نئے نئے سیلونوں کی طیاری اور دوسرے انتظامات پر کروڑوں روپیہ خرچ کر دیتا ہے آج تک اس توفیق سے محروم ہے کہ گاڑیوں میں نماز کے لیے اہتمام کر سکے۔

خیر روایات کے مطابق گاڑی صبح کچھ لیٹ خانپور پہنچی تو جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے ناظم، بے باک خطیب اور قومی اتحاد کے امیدوار قومی اسمبلی مولانا محمد لقمان بعض دوسرے رفقاء کے ساتھ سٹیشن پر موجود تھے۔ جمعیۃ طلباء اسلام کے جیالے ورکر بھی تھے۔ سٹیشن سے سیدھا دین پور شریف جانے کا پروگرام تھا۔ چنانچہ سیدھا دین پور شریف جانا ہوا۔ لیکن اس سے پہلے ذرا اس بستی کا حال پر بڑے اختصار سے "خانوادہ قادریہ راشدیہ کے گل سرسبد حضرت میاں غلام محمد صاحب (جن کا ذکر پہلے گزرا) اصل میں جھنگ کے رہنے والے تھے مقدر حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈی کی خدمت میں لے گیا۔ جو اپنے دور میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت سید العارفین بھرچونڈی ہی کی خدمت میں حضرت امام انقلاب مولانا سندھی کی پہلے پہل رسائی ہوئی جنہوں نے آپ کو اپنا فرزند کہا اور کسی ایسے عالم سے واسطہ پڑنے کی دعا کی جو حق کا ترجمان ہو اور پھر بقول مولانا سندھی شیخ کی دعا شیخ الہند کے آستانہ پر لے گئی۔

سید العارفین علیہ الرحمہ نے اپنے لاڈلے روحانی فرزند جو واقعی "غلام محمد" تھا کو حکم دیا کہ درندوں کی اس بستی میں جا کر نام حق کی قندیل روشن کرو۔ جب یہاں کچھ بھی نہ تھا۔ مہیب جنگل، خوفناک ماحول اور درندوں کا واڑہ۔ لیکن جو خدا سے ڈرتے ہیں وہ کسی اور سے نہیں ڈرتے اور پھر مرشد کا حکم تھا۔ آپ بیٹھ گئے ابتدا میں آپ کے ساتھ وہی کچھ ہوا جو اس قسم کے عظیم نابغہ اور عبقری لوگوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے۔ لیکن آخر میں آپ کی ذات بندگانِ خدا کی عقیدت کا مرجع بن گئی۔ اور پھر وہ یہاں آئے جو خود علم و عرفان میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ شیخ الاسلام حضرت

مدنی آئے۔ حکیم الامت مولانا تھانوی آئے۔ امام انقلاب حضرت سندھی تو یہیں کے ہو کر رہ گئے اور ان کی طرح متعدد دوسرے حضرات نے یہاں اپنی قبر بننے کی خواہش ظاہر کی جن میں مناظر اسلام حضرت مولانا لعل حسین اختر جیسے لوگ شامل ہیں۔

آج یہ کیفیت ہے کہ ملک بھر کے اربابِ باطن اور دینِ قیم کے مخلص خدام اس بستی میں جو بقول مولانا محمد اجمل واقعی "دین پور" ہے کشاں کشاں آتے ہیں اور اپنی آنکھوں کو اس مختصر سی بستی میں پھیلے ہوئے اہل صدق و صفا کے نقوش سے ٹھنڈا کرتے ہیں اور عمل و استقلال کا سبق حاصل کرتے ہیں۔

حضرت میاں غلام محمد دین پوری کے متعلق اپنوں اور بیگانوں کی شہادت موجود ہے کہ آپ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی تحریک مقدسہ کے چھٹے سرخیل و امام حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی تحریک حریت کے جانباز سپاہی اور ذمہ دار جرنیل تھے۔ حضرت میاں صاحب جس خانوادۂ روحانی سے متعلق تھے۔ یہ ابتداسے ہی ولی اللہی تحریک سے متعلق رہا۔ جس پر خاندانِ راشدیہ کے حضرت الامیر سید احمد بریلوی قدس سرہٗ سے تعلقات سب سے بڑی دلیل ہیں۔ آئندہ چل کر ان تعلقات میں مزید اضافہ ہوا۔ اور حضرت شیخ الہند کی تحریک کے بڑے بڑے مراکز میں دین پور شریف اور امروٹ شریف کو شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت شیخ الہند خود تو یہاں تشریف نہ لا سکے۔ آپ محض پیر جھنڈا تشریف لائے جہاں مقصد حضرت الامام لاہوری کی دستاربندی اور حالات کا جائزہ تھا۔ البتہ مرشد دین پوری اور مرشد امروٹی دیوبند تشریف لے گئے۔ جب وہاں عظیم الشان جلسہ دستاربندی ہوا جس میں حضرت شیخ الہند نے دیوبند و علیگڈھ کے باہمی ملاپ کی ایک قابل عمل صورت وضع فرمائی جو علی گڑھ کے یورپین تہذیب و فکر میں رنگے ہوئے طلبہ کے ہاتھوں سبوتاژ ہو گئی۔

دین پور شریف کی مختصر بستی جیسا کہ عرض کیا گیا تحریک شیخ الہند کا اہم مرکز تھی۔ نیم پختہ مسجد، مدرسہ اور چند کچے مکانات یہاں کا کل سرمایہ تھا لیکن مجاہدین کی ایک کھیپ یہاں طیار ہو رہی تھی۔ جس نے آئندہ چل کر انگریز راج کو ناک چنے چبوا دئے۔ مزید برآں یہاں زیر زمین اسلحہ خانے کام کر رہے تھے۔ جن کی تمام نگرانی اس فقیر منش بزرگ کے ذمہ تھی۔ لیکن آپ حیران ہوں گے کہ جب ملتان کے ایک سیاہ باطن نواب نے مخبری کر کے تحریک کی پیٹھ میں چھرا گھونپا تو انگریز اور اس کی ذریت ہزار کوششوں کے باوجود یہاں سے کچھ دستیاب نہ کر سکی اور انٹیلی جنس جیسے متعدد محکمے سر پیٹ کر رہ گئے۔

(حضرت میاں صاحب کے حالات و وقائع پر آپ کے عزیز القدر پوتے میاں خلیل احمد کی کتاب مولانا عبید اللہ انور کے فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ طبع ہونے والی ہے جس سے انشاء اللہ تعالٰے بہت سی کڑیاں سامنے آجائیں گی)

آج کل اس بستی میں جو بزرگ رشد و ہدایت کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں وہ ہیں حضرت میاں عبدالہادی (اللہ تعالٰے ان کو تا دیر صحت و سلامتی سے رکھے) آپ حضرت میاں غلام محمد علیہ الرحمۃ کے خلف الرشید ہیں اکابر اسلاف کی پیشانیوں کا نور آپ کی کشادہ پیشانی سے واضح طور پر جھلکتا ہے۔ اپنے عظیم ابا کے ساتھ ساتھ مرشد لاہوری کی نگہہ باطنی کا اثر مستزاد ہے۔ اپنے اسلاف کی روایات کے حامل و امین اس مردِ قلندر کے آستانہ پر دنیا نہ معلوم کہاں کہاں سے آتی ہے اور اس کی دعاؤں سے اللہ رب العزت ان کے دامن بھر دیتے ہیں۔

مرشد درخواستی، مرشد انور اور مفتی محمود جیسے صاحبان فکر و نظر اس کی ملاقات کو نعمت غیر مترقبہ تصور کرتے ہیں اور آج کے دور میں میرے عقیدہ کے مطابق جن چند نفوس قدسیہ کا سوز دروں اہل حق کے لیے باعث طمانیت ہے۔ ان میں حضرت دین پوری سر فہرست ہیں۔

بہر حال اس نگری میں جو پہنچے تو بھولی بسری یادیں تازہ ہو گئیں۔ مرشد لاہوری کے فرزند جب وہاں جاتے ہیں گل بوٹوں پر بہار آجاتی ہے۔ حضرت اقدس سے لے کر خاندان کے بچے بچے کی خوشی دیدنی ہوتی ہے اور باہمی تعلق و ارتباط اور احترام کے وہ وہ مناظر نظر آتے ہیں جن کی تصویر کشی مشکل ہے۔

مرشد انور، حضرت سے ملے۔ وہ منظر بھی عجیب تھا۔

آپ کے ہمراہی بھی تھے۔ حضرت نظر کی کمزوری کے سبب عام لوگوں کو پہچان نہیں سکتے۔ اس لیے مولانا نے فرمایا کہ ان حضرات کا تعارف کرائیں۔ میں اب اپنے "بچوں" کو پہچان نہیں سکتا۔ آپ نے اپنی زبان میں

"اپنے بالاں کوں شناخت نہیں کر سکدا"

کا جملہ جس طرح فرمایا اس میں آپ کی شفقت و محبت کا ایک دریا موجزن تھا۔ بہرحال مولانا نے تعارف کرایا اور پھر سبھی لوگوں کی اس مردِ قلندر کے چہرے پر نظریں جم کر رہ گئیں۔

تھوڑی دیر آپ نے خود ہی مہرِ سکوت کو توڑا اور خدام سے فرمایا۔ کہ مولانا انور سے پانچ منٹ تخلیہ چاہتا ہوں۔ اس لیے سب الگ ہوگئے البتہ مولانا محمد اجمل کو خصوصی اجازت ہوئی اور پھر اس تخلیہ میں جو کھلے آسمان تلے ہوا نہیں کہا جا سکتا کس چیز کا تبادلہ ہوا؟

واقعہ یہ ہے کہ جس ربط باہمی کو ہم نے محسوس کیا وہ پاکہ باطن اسلاف کے مقدس تذکروں میں پڑھا تو ہے، دیکھا نہیں۔

اور جب فراغت ہوئی تو قیام گاہ پر آگئے۔ حضرت کے سب سے زیادہ محبوب پوتے میاں مسعود احمد اور نواسے میاں سیف اللہ (جو نو مسلم باپ کے بیٹے) ہیں بڑے احترام اور محبت سے ناشتہ لے کر آئے۔ فارغ ہوئے تو احباب اور بزرگ تشریف لائے۔ ایک بزرگ تشریف لائے تو مولانا انور نے فرمایا کہ ان کے والد صاحب کا نام "فتح محمد" تھا۔ بڑے حضرت کے خادم تھے۔ حضرت شیخ الہند کے حکم سے مولانا سندھی نے جو سفر کیا اس کے تمام انتظامات حضرت دین پوری نے کئے اور ان کو بہ حیثیت خادم ساتھ کر دیا۔ سفر کے بعد کابل میں بھی یہ ساتھ رہے۔ ہرچند کہ بے پناہ تکلیفیں اٹھائیں لیکن خوشی سے فرماتے کہ میرے مرشد نے بھیجا، اللہ کے لیے سفر تھا۔ اس لیے میں خوش ہوں۔

دوسرے حضرات جو یہاں تشریف لائے ان میں جمعیتہ کے مرکزی ناظم اور پنجاب کے نائب امیر اول مولانا غلام ربانی بھی تھے جو رحیم یار خاں سے محض ملاقات کو تشریف لائے۔ مولانا انتہائی دلچسپ بزرگ ہیں۔ مجاہد وجی دار اور بے خوفی ان کی سرشت میں ہے۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر جمعہ کے لیے واپس تشریف لے گئے۔

رواروی میں یہ بات لکھنا بھول گیا کہ حضرت دین پوری کے پاس سے اٹھے تو سیدھا قبرستان جانا ہوا جہاں بڑے حضرت کے ساتھ ساتھ مولانا سندھی وغیرہ کے مزارات ہیں۔ قبرستان پر انوار باری کے نزول کا واضح طور پر احساس ہوتا ہے۔ سنت کے مطابق سیدھی سادی قبریں، لیکن ان کے اندر وہ لوگ محو خواب ہیں جن کی زندگیاں قابل رشک تھیں۔ کبیر والہ کے ایک عزیز طالب علم اعجاز میاں جو جمعیۃ طلباء اسلام ملتان کے صدر ہیں پہلی مرتبہ یہاں آئے، وہ قبروں کا یہ رنگ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ غالباً ملتان کے بے ننگ و نام گدی نشینوں کی فہرستیاں اعجاز صاحب کے سامنے تھیں جنھوں نے اہل اللہ کی قبروں پر لاکھوں روپیہ خرچ کر کے جہاں ان اہل حق کی ارواح کو رنج پہنچایا وہاں اپنی عاقبت بھی خراب کر لی۔ اگرچہ دنیا بنا لی۔ اس قسم کے ماحول سے نکل کر دین پور شریف کے ماحول میں آنے والا ایک دفعہ تو یقیناً حیران ہوتا ہے لیکن بعد میں اس کے دل و دماغ کے دریچے ایسے "کھلتے" ہیں کہ اسے ایسے مقامات پر دین چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ کافی دیر تک مزارات پر مسنون طریقہ سے قرآن خوانی ہوتی رہی اور پھر اکثر لوگ بادیدہ نم اس جگہ سے واپس آگئے۔ چند منٹ مدرسہ میں رکنا ہوا۔ اس مدرسہ کے ساتھ حضرت الامام سندھی کی یادیں وابستہ ہیں۔

دس بجے کے قریب بندہ حضرت مولانا انور سے اجازت لے کر خانپور آگیا۔ حضرت درخواستی اور آپ کے صاحبزادوں اور دوسرے متعلقین کے مکانات دین پور کالونی میں واقع ہیں۔ یہیں کی مسجد ہے جہاں حضرت رات کی نمازیں پڑھاتے ہیں، درس ارشاد فرماتے ہیں۔ مہمان خانہ میں جمعیۃ طلباء اسلام کے ندیم اقبال، صفدر چودھری، ڈاکٹر اعظم چیمہ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ عبدالرؤف ربانی، اعجاز مرالی، سعید قریشی اور سلمان گیلانی موجود تھے۔ سب سے ملاقات ہوئی پھر مدرسہ چلے گئے وہاں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری دی آپ نے بے پناہ دعاؤں سے نوازا۔ آپ کے صاحبزادے اور دوسرے سبھی عزیز وہیں تھے، جو ملا اس نے بھرپور محبت کا اظہار کیا۔ یقین کریں کہ ہمارے اکابر کی ان جگہوں پر جہاں اولیاء

بہت کچھ نظر آتا ہے۔ وہاں ان کے صاحبزادوں کا جذبہ خدمت اس دور میں ایک معرکہ کی چیز ہے۔ میں نے دین پور شریف، امروٹ شریف، خانقاہ سراجیہ کندیاں اور خانپور میں حضرات کے بچوں، پوتوں اور نواسوں کو مہمانوں کی خدمت میں جس طرح مشغول پایا اس پر دل انتہائی مطمئن ہوتا ہے۔ اور خوشی ہوتی ہے کہ "صاحبزادگی" کے آوارہ جراثیم ان مستقبل کے ماہ پاروں کو خراب نہیں کر سکے۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اور حضرت ہیں کہ تمام انتظامات پر گہری نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کے پاس جا کر خیریت معلوم کرتے ہیں۔ اور دعائیں دیتے ہیں۔

۱۱ بجے دار الحدیث میں جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع رحیم یار خان کا اجتماع تھا حاضری بہت زیادہ تھی۔ اکثر عزیز طلبہ کی پیشانیوں سے محسوس ہو رہا تھا کہ یہ مستقبل میں خلق خدا کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ یہاں حضرت کے صاحبزادے فضل الرحمٰن درخواستی کی تلاوت اور سلمان میاں کی نظم کے بعد بندہ کو درس حدیث کی فرمائش کی گئی۔ پھر بہاولپور میڈیکل کالج کے اعظم چیمہ نے جو خطاب کیا وہ اس صالح، سنجیدہ اور بہادر فرزند کے روشن مستقبل کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اور آخری تقریر ندیم صاحب کی تھی اور ظاہر ہے کہ وہ سٹیج کے بادشاہ ہیں۔

جمعہ کی اذان ہو چکی ہے مولانا عبدالشکور دین پوری کو دعوت دی جاتی ہے۔ عیدگاہ میں خلق خدا جوق در جوق آ رہی ہے۔ مولانا خطاب کے بادشاہ ہیں۔ علم و علماء کی فضیلت پر اپنے مخصوص انداز میں موتی بکھیرنے لگے۔

لیجئے حضرت مولانا انور اور مولانا محمد اجمل تشریف لائے۔ ادھر سے حضرت درخواستی جمعہ کے لیے طیار ہو کر جو کمرہ سے نکلے تو دورِ مسعود کے عربی النسل مجاہدوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ آپ اپنے عزیز مہمانوں سے مل کر پیار محبت کی باتیں کر کے عیدگاہ تشریف لے گئے۔ مختصر تقریر کی۔ جس میں فرمایا۔ کہ سیاسی جلسہ نہیں ختم بخاری کی سالانہ تقریب ہے اور یہ کہ سیاست سے ہمیں واسطہ نہیں پر قرآن و حدیث کی اشاعت و تشہیر اور ان کے عملی نفاذ کی کوشش تقاضائے دین اسلام ہے اور کوئی بندۂ خدا اس سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔

مرشد درخواستی نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ نماز ہوئی اور نماز کے بعد سلمان میاں کی نظم، پھر مولانا انور نے مختصر خطاب فرمایا۔ آپ کے خطاب میں ایمان و استقامت کا جذبہ بطریق اتم موجود تھا۔ آپ نے علم کے میدان میں مسلمانوں کی ترک تازیوں کا تذکرہ فرمایا۔ خلافت راشدہ کے سنہری دور میں جو پہنچے تو لب و لہجہ سوا ہو گیا۔ اور خود اعتمادی کی فضا میں اسلاف کی عظمتوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

اور اب مولانا محمد اجمل آئے۔ لہجہ میں بیماری کے باوجود توانائی تھی۔ مخصوص لے میں خطبہ اور پھر اشعار اور اشعار کے بعد مرشد درخواستی کی صحت و سلامتی کی دعا اور ان کے حکم سے حاضری اور انہی کے ارشادات سننے اور ختم بخاری کی تقریب مبارک سے استفادہ کی خواہش کا ذکر کر کے فرمایا کہ حکم ہے تو چند منٹ عرض کرونگا۔

اور پھر آپ نے مخصوص انداز میں ارباب دعوت و عزیمت کی جد و جہد کا جو تذکرہ کیا تو مجمع میں ارتعاش کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ آپ ابھی چلے جا رہے تھے کہ حضرت درخواستی سٹیج پر تشریف لائے۔

اور اب آپ نے اپنے کو سنبھالا۔ مضمون کو پیٹا۔ وقت کی مناسبت سے بخاری اور اس کے عظیم المرتبت مرتّب کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ حدیث کے دشمنوں کو للکارا اور فرمایا کہ تمہارا جادو نہیں چل سکے گا۔ خدا کے ساتھ مصطفےٰ اور قرآن کے ساتھ حدیث کی روشنی بجھ نہیں سکتی۔

اب حضرت کھڑے ہوئے وقت کی تنگی کے پیش نظر آپ نے اس تقریب کی مختصر غرض و غایت بیان فرمائی اور فرمایا کہ حالات کی ناساعدت کے باوجود عزیز مہمان تشریف لائے، کل یہاں گولی چلی تھی آج خوشی کا سماں ہے اور اسلامی نظام کی صورت میں خوشی کی تکمیل کا مژدہ سنا کر بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھائی۔ اور اب دستاربندی کا اعلان ہوا۔

سب سے پہلے آپ نے مولانا انور کو پگڑی بندھوائی اور فرمایا کہ میرے مہمان ہیں اس تقریب میں مبارک دینے آئے ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جب مبارک ملی تو آپ نے کپڑے مرحمت کر دئے۔ ہم بھی صحابی کی سنت پوری کرنے کی خاطر اپنی ہمت کے مطابق یہ ہدیہ

پیش کر رہے ہیں۔ بعد مولانا محمد اجمل، مولانا عبدالشکور اور مولانا محمد لقمان کا نمبر آیا۔ اور اب اس ذرہ بے مقدار پر نوازش ہوئی۔ جامع کلام کا وعدہ لیا (خدا توفیق ایفا دے) حدیث سنی اور اپنے دست مبارک سے پگڑی باندھی۔ ابتدا آپ نے کی پھر مولانا انور اور دوسرے حضرات نے مکمل کی یہ گھڑیاں میری زندگی کا ایسا سرمایہ ہیں! جن پہ رب کریم کا شکر ادا کرنا میرے بس میں نہیں۔ حضرت درخواستی اور مرشد انور جیسے حضرات میرے سر پر پگڑی باندھ رہے تھے تو میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس اعزاز کی مجھے قدر کرنے کی توفیق دے۔

بعد ازاں ملتان کے حکیم حنیف اللہ صاحب، مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے مولانا محمد اکبر، دین پور شریف کے مدرس مولانا عبدالرحمن، حضرت دین پوری علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور امام سندھی کے نواسے میاں ظہیر الحق صاحب کی دستار بندی ہوئی۔ قرآن وحدیث سے فارغ ہونے والوں کی دستار بندی ہوئی اور آخر میں پنجاب جمعیۃ طلبہ اسلام کے عہدیداروں کی۔ جن میں ندیم اقبال، صفدر چودھری، عبدالرؤف ربانی، اعظم چیمہ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ، اعجاز مرالی ملتان، سلمان گیلانی، سعید قریشی اور فضل الرحمن درخواستی شامل ہیں۔ دعا ہوئی، پھر نماز عصر اور اس کے بعد جمعیۃ طلبہ اسلام خانپور کی طرف سے مولانا انور اور مولانا محمد اجمل کے اعزاز میں استقبالیہ۔ وقت کی تنگی کے باعث سپاسنامہ نہ پڑھا جا سکا۔ ان دو کے علاوہ حضرت درخواستی نے مختصر نصیحتیں کیں۔ اسی مجلس میں رانا انوار الحق باری سرپرست ضلع رحیم یار خان، میاں محمد نسیم صدر ضلع، چودھری ارشد جاوید (صدر شہر) محمود الحسن قریشی (نائب صدر شہر) خالد حسین بھٹی (جنرل سیکرٹری) تنویر احمد (جوائنٹ سیکرٹری) سیف الرحمن درخواستی (ناظم نشر واشاعت) اور فضل الرحمن درخواستی (خازن) اور ثناء اللہ کی دستار بندی کرا کے کام کی تلقین کی۔ دعا ہوئی، مہمانوں کی خاطر تواضع ہوئی۔

حضرت مولانا انور اور مولانا محمد اجمل فوراً تشریف لے گئے کہ حضرت مولانا انور کے بعض عقیدت مند انہیں بعض جگہوں میں لے جانا چاہتے تھے۔ پھر ۹½ بجے شب وہ عوام ایکسپریس کے ذریعہ بہاولپور تشریف لے گئے جہاں چند گھنٹے قیام فرمایا۔ یہاں انجمن خدام الدین کی ایک بلڈنگ ہے جو نواب صاحب بہاولپور مرحوم کے منہ بولے بھائی اور سب کچھ میجر اللہ دتہ مرحوم نے وقف کی تھی اور جس کے کرایہ سے انجمن کا مدرسۃ البنات چل رہا ہے۔ آج کل اس کی نگرانی ڈاکٹر عبدالرشید کر رہے ہیں۔ یہ حضرت کے مخلص خدام میں سے ہیں اور ہم لوگ لیٹ آنے والی گاڑی کراچی ایکسپریس سے سوار ہوئے۔ جب ہم سٹیشن پر پہنچے۔ تو ابھی تیز رو آئی تھی (یعنی لیٹ) بڑی کوشش کی جگہ نہ ملی۔ کراچی ایکسپریس آئی تو وہی حالت۔ ایک ڈبہ پر پولیس کا قبضہ، مسافر حضرات کب کسی کو موقع دیتے ہیں۔ کوئی ریزرویشن کا بہانا بناتا ہے اور کوئی بالجبر قبضہ پر ناز کرتا ہے۔ ایک کمرہ پانی کے لیے وقف! دروازہ پر کھڑے صاحب سے بات کی تو گارڈ سے مراجعت کا کہا ان سے کہا تو انہوں نے فرمایا کہ وہی مختار ہیں۔ دوبارہ ان سے کہا تو پولیس سے ملنے کو کہا۔ ظاہر ہے کہ پولیس سے ملنے کا مقصد "حق الخدمت" کا چکر تھا۔ لیکن پولیس والے ابھی کسی کو پھٹے پر ہاتھ رکھنے نہیں دے رہے تھے۔ اتنے میں ایک صاحب آگئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بھی پولیس سے متعلق ہیں۔ اچھے لوگ ہر جگہ ہیں۔ دروازہ پر نگہبانی کرنے والے کو چند "تھپڑ" مار کر دوڑایا۔ کمرہ کھل گیا اور ہم مع الخیر اس میں بیٹھ گئے۔

مولانا انور بھی بہاولپور سے اسی پر سوار ہوئے۔ اعجاز مرالی اور سعید قریشی خانیوال اتر گئے۔ صفدر چودھری میرے ساتھ لاہور آئے۔ اور اس طرح ۳۶ گھنٹے کے قریب کا یہ سفر بخیر وخوبی ختم ہو گیا لیکن اپنی یادیں ہمیشہ کے لیے

جمعیۃ طلباء اسلام کا تربیتی اجتماع

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کا دوسرا سہ روزہ تربیتی اجتماع ۱۲، ۱۳، ۱۴ اگست ۷۷ء کو مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں منعقد ہوگا جس میں جے۔ ٹی۔ آئی سے تعلق رکھنے والے کالج اور دینی مدارس کے طلبہ شریک ہوں گے اور مختلف موضوعات پر ملک کے صف اول کے اہل علم وقلم اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گے۔ تفصیلی پروگرام کے لیے جمعیۃ طلباء اسلام کے مرکزی دفتر ۴۔ بی شاہ عالم مارکیٹ سے رجوع کریں۔

(ناظم نشریات جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان)

ارشاداتِ حضرت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

محمد شفیع عمر الدین

نماز پنجگانہ فرض نمازیں با جماعت مسجد میں اس طرح پڑھیں کہ تکبیرِ اولیٰ فوت نہ ہونے پائے۔ (ص ۶۴)

نماز کی سب سنتوں اور آداب کا اچھی طرح خیال رکھیں۔ اطمینان سے نماز پڑھیں۔

نمازیں مستحب وقتوں پر پڑھنی چاہییں۔ اور بارہ مؤکدہ سنتیں اور تہجد کی نماز جو سنت مؤکدہ ہے چھوٹنے نہ پائیں۔ ص ۶۵

(ف) بارہ سنتیں مؤکدہ یہ ہیں۔ فجر کی دو رکعتیں، ظہر کی چھ رکعتیں، مغرب کی دو رکعتیں اور عشاء کی دو رکعتیں۔

روزہ رمضان کے روزے احتیاط سے رکھیں۔ لغو یا گناہوں کی باتوں یا غیبت سے روزے کا ثواب ضائع نہ کریں۔

تراویح کی نماز، ختمِ قرآن مجید اور رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف لازم جانیں اور لیلۃ القدر کی تلاش میں رہیں۔ اپنا وقت ذکر میں معمور رکھیں۔ (ص ۶۵)

تلاوت قرآن صحیح و تجوید سے اچھے آواز کے ساتھ بغیر گانے کے پڑھیں۔ (ص ۶۵)

اتباعِ سنت سب مسلمانوں کی اور خصوصاً نقشبندیہ طریقہ کے صوفیوں کی بنیاد اتباعِ سنت پر منحصر ہے۔ اس لیے یہ بات ضروری ہے کہ فقہ اور حدیث شریف کی خدمت کریں۔ فرائض، واجبات، مکروہات، مشتبہات اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات و عادات کی سنتوں پر عمل کریں۔ اور حتی الامکان سنتوں کے اتباع کی کوشش کریں۔ خصوصاً فرائض اور واجبات کے اتباع اور مکروہات و مشتبہات کے متعلق جو سنتیں ہیں ان سب کو محکم پکڑیں۔ (ص ۶۴)

کسبِ حلال حلال کسب کر کے روزی کمائیں۔ خرید و فروخت میں فقہ کے مسائل کی پابندی کریں۔ اور مشتبہات سے پرہیز کریں۔ (ص ۶۵)

زکوٰۃ اگر مالکِ نصاب نامی ہوں تو زکوٰۃ کا ادا کرنا فرض ہے۔ (ص ۶۵)

ذکر و فکر فرائض اور واجبات ادا کرنے کے بعد اور مکروہات و مشتبہات سے اجتناب کرنے کے بعد صوفی پر لازم ہے کہ اپنا وقت ذکر الٰہی میں گزارے اور اسے فضول ضائع نہ کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جنتی کسی چیز پر حسرت نہ کریں گے۔ بجز اس ساعت کے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا ہوگا۔ (ص ۶۵)

(لہٰذا) فرائض و نوافل سے فارغ ہو کر اگر نیک اور متقی علماء کرام کی صحبت اور گفتگو ہاتھ نہ آئے تو ذکر و فکر کو غنیمت جانیں۔ اس صحبت کی شرط یہ ہے کہ دنیا دار علماء سے بچنا چاہیے۔ (ص ۶۷)

اگر نیکوں کی صحبت میسر نہ ہو تو تنہا بیٹھنا یا سو جانا بہتر ہے۔ بدکار ہمنشینوں سے گوشہ نشینی بہتر ہے اور نیکوں کی صحبت گوشہ نشینی سے بہتر ہے۔ (ص ۶۷)

جاہلوں، فاسقوں اور دنیا میں زیادہ منہمک لوگوں کے ساتھ صحبت اور میل جول باطن کے کارخانے کو خراب کرتے ہیں۔ خصوصاً ایسی صحبت مبتدی صوفیوں کے لیے سخت مضر ہے۔ کیونکہ تھوڑے پانی کو نجاست پلید کر دیتی ہے ص ۶۶

صوفیوں، صاحبدلوں اور اولیاء اللہ کی ہم نشینی نفلی ذکر اور نفلی عبادات سے زیادہ مفید ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ باہم فرماتے۔ اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ یعنی ہمارے ساتھ بیٹھو تاکہ ایمان تازہ کریں۔

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ بودن در تقاء (ص ۶۷)

یعنی تیرا ایک گھڑی اللہ والوں کی صحبت میں گزارنا سو سال کی پرہیزگاری سے بہتر ہے۔

بزرگوں کا ادب حضرات مشائخ کا ادب "شرعی حدود" سے بڑھانا یا گھٹانا

دونوں حرام ہیں۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں افراط سے کام لیا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہنے لگ گئے۔ (ص ۲۷)

اولیاء اللہ کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ مگر بعض اوقات خرقِ عادت یا کشف یا الہام سے اللہ تعالیٰ ان کو کسی غیب کی خبر سے مطلع فرما دیتا ہے۔ اولیاء اللہ کے بارے میں یہ کہنا کفر ہے کہ وہ غیب کا علم جانتے ہیں۔ (ص ۲۶)

خرقِ عادات اور کرامات ولایت کے لوازمات میں سے نہیں ہیں۔ بعض حضرات اولیاء کرام ایسے بھی ہیں کہ وہ بارگاہ الٰہی میں مقرب ہیں مگر ان سے خرقِ عادات (کرامتیں) ظاہر نہیں ہوتی ہیں۔ (ص ۱۴)

کشف و الہام اگر قرآن مجید، حدیث شریف، اجماع اور قیاس کے مطابق صحیح نہ ہوں، تو ان پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ (ص ۱۷)

جاہل لوگ کہتے ہیں کہ "یا شیخ (فلاں) شیئاً للہ۔" (اے فلاں بزرگ مجھے اللہ کے واسطے کچھ دو) ایسا کہنا جائز نہیں بلکہ شرک و کفر ہے۔ (ص ۲۹)

اور یوں کہے کہ "یا الٰہی بحرمت (فلاں بزرگ) میری حاجت پوری فرما تو مضائقہ نہیں ہے۔"

کسی بزرگ کی قبر کے چوگرد چکر لگانا جائز نہیں کیونکہ طواف بیت اللہ شریف کا کیا جاتا ہے اور وہ نماز کے حکم میں آتا ہے (نماز غیر اللہ کے لیے جائز نہیں۔ (ص ۲۵)

لوگوں کے حق لوگوں کے حق بجا لانے میں بہت کوشش کریں۔ حقوق العباد بخشے نہ جائیں گے۔ (ص ۶۵)

(از ارشاد الطالبین فارسی)



لالہ فیروز الدین کشمیری کا سانحہ ارتحال

حضرت الامام مولانا عبید اللہ انور کے مخلص ترین مرید و معتقد جناب لالہ فیروز دین کشمیری سیالکوٹی جو مدت سے ٹوبہ ٹیک سنگھ منتقل ہو کر مستقلاً یہیں آباد ہو چکے تھے گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔

آپ نہ صرف خود بلکہ آپ کا سارا خاندان حضرت مولانا انور سے متعلق ہے اور انتہائی گہری عقیدت رکھتا ہے۔

لالہ صاحب اکابر علماء حق اور تمام ملی و قومی تحریکوں بالخصوص تحریک ختم نبوت سے وابستہ رہے اور اس راہ میں انہیں بے پناہ صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا، متعدد مرتبہ جیل جانا پڑا۔ لیکن ہر مرتبہ کی جیل ان کے جذبات کے لیے مہمیز کا کام دیتی رہی۔

موصوف انتہائی ملنسار، خوش خلق اور مہمان نواز تھے۔ آپ کا دسترخوان بہت وسیع تھا۔ اور ہمہ وقت ان کے دسترخوان پر پانچ سات مہمان موجود رہتے تھے۔

آپ کی وفات کا صدمہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی شدت سے محسوس کیا گیا۔

حضرت مولانا انور مدظلہم اپنی علالت کے پیش نظر جنازہ میں تشریف نہ لے جا سکے تو بذریعہ ٹیلیگرام اس صدمہ پر اظہار افسوس کیا۔ مزید آپ کی نمائندگی کے طور پہ آپ کے خادم جناب صوفی محمد یونس صاحب اور حاجی بشیر احمد صاحب تشریف لے گئے۔ صوفی صاحب نے آپ کے بڑے صاحبزادے حاجی عبدالعزیز صاحب کی دستار بندی بھی کرائی۔

نماز جنازہ میں جتنی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ لمبے لمبے بانس باندھنے کے باوجود کام نہ چل سکا۔ نماز جنازہ مولانا سید سلیمان شاہ عباسی خطیب جامع مسجد نے پڑھائی۔

ادارہ خدام الدین مرحوم کے صاحبزادگان حاجی عبدالعزیز پہلوان عبدالحمید اور دوسرے متعلقین و پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور مرحوم کے رفع درجات کے لیے اللہ رب العزت کے حضور دست بدعا ہے۔

اللّٰھم ارحمہ واغفرلہ۔

(غمزدہ! مدیر)

ہری پور سنٹرل جیل سے ایک خط

شاہراہِ قراقرم

شفیق فاروقی

جمیعۃ علماء اسلام کے رہنماؤں پر کیا گزری ؟

پاکستان قومی اتحاد کی تحریک کے دوران "شاہراہِ قراقرم" کی بندش کی خبر غیر ملکی ذرائع ابلاغ سے نشر ہوئی تو عام لوگ اس سلسلہ کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے بیتاب سے ہو گئے، لیکن چونکہ اخبارات سنسر شپ کا شکار تھے اس لیے تفصیلی حالات سے عام طور پر بے خبر رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ جس کے جی میں جو آیا اس نے کہا اور پھر سنسر شپ کی پابندیاں ختم ہونے کے بعد اخبارات میں اس ضمن میں جو کچھ آیا اس کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ کچھ صورتِ حال کیا ہے ؟ اس کے لیے جمیعۃ علماء اسلام پاکستان کے قابلِ صد احترام رہنما مولانا عبد الحق (اکوڑہ خٹک) جنہوں نے سابق وزیر اعلیٰ سرحد مسٹر نصر اللہ خٹک کا غرور خاک میں ملایا، کے فرزند رشید اور ہمارے محترم کرمفرما مولانا سمیع الحق کے ہری پور جیل کے رفیق "شفیق فاروقی" کا خط ماہنامہ الحق کی حالیہ اشاعت میں چھپا ہے۔ شاہراہ قراقرم کو کھلوانے کے لیے مولانا عبد الحق سے لے کر مولانا سمیع الحق اور حاجی فقیر محمد خان امیر جمیعۃ مانسہرہ کو کہاں کہاں پھرایا گیا ؟ ان سے کیا کیا کہا گیا ؟ اور کس کس نے کہا ؟ — اس خط میں آپ کو انہی باتوں سے آگاہی ہو گی ! مزید براں ہری پور جیل کے زندانیوں کی اندرونی سرگرمیوں کے متعلق دلچسپ معلومات اس خط میں شامل ہیں۔

ہم "الحق" کے شکریہ کے ساتھ تاریخ ساز تحریک کے اس تاریخی واقعہ کو پیشِ خدمت کر رہے ہیں !!

(ادارہ)

آج ہری پور سنٹرل جیل میں جناب ایڈیٹر الحق کے ساتھ گرفتار ہوئے ہمارا باونواں دن ہے۔ قارئین الحق نے گذشتہ پرچہ کے نقشِ آغاز کے صفحہ پر مولانا کی گرفتاری کے نتیجہ میں نقشِ آغاز سے محرومی کا بڑی شدت سے احساس کیا ہو گا۔ اس دفعہ بھی میں نے بہت کہا کہ آپ جیل ہی سے نقشِ آغاز لکھ کر بھیج دیجئے، مگر وہ اپنی طبیعت آمادہ نہ کر سکے اور کہا کہ ایک تو سنسر شپ کی ظالم تلوار نے قلم کی آزادی ہی نہیں چھینی بلکہ اسے قتل کر کے رکھ دیا ہے۔ ایسے حالات میں کون وقت ضائع کرے۔ دوسری بات یہ کہ حالات اتنی تیزی سے بدل رہے ہیں اور تحریک کی رفتار اپنی منزلِ مقصود کی طرف اتنی تیز ہے کہ ہر صبح اور ہر شام احساسات اور جذبات کے نئے نئے موڑ سامنے آ رہے ہیں۔ ایسے حالات میں کون سے نقطہ پر جم کر اظہارِ خیال کیا جائے۔ اس بناء پر میں نے چاہا کہ الحق کے پیارے قارئین سے اس خط کے ذریعہ

مخاطب ہوکر کچھ نہ کچھ باتیں کی جائیں اور سہری پور کی وہ اسارت گاہ جو آج تحریک نظام شریعت کے طفیل حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ اور دیگر علماء و مشائخ، اہل علم و قلم ارباب زہد و تقویٰ، زعماء ملک و ملت سیاستدان اور وکلاء اور سیاسی پارٹیوں کے جاں نثار لیڈروں اور ورکروں کا ایک عظیم الشان کیمپ بنی ہوئی ہے۔ قارئین کو بھی اس کی کچھ جھلکیاں دکھا دی جائیں۔ ہمارے بہت سے قارئین جو پچھلے کئی ماہ سے الحق کی اشاعت میں بے قاعدگیوں سے اکتا چکے ہیں اور نقش آغاز سمیت اس کے کئی سلسلوں کے ٹوٹ جانے سے شکوے شکایات کر رہے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ گزشتہ ۷ جنوری سے لے کر اب تک الحق کے ایڈیٹر اور اس کا برائے نام سٹاف جو ایک دو افراد سے عبارت ہے، کتنے ہنگامی اور بحرانی حالات سے دوچار رہا۔ ایسے حالات میں پرچہ کا زندہ رہنا بھی قارئین کی دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ ادارۃ الحق کسی معیاری کاتب کو معقول تنخواہ پر ملازم رکھنے سے قاصر ہے۔ اس لیے اکوڑہ سے دور نوشہرہ میں رہائش پذیر ایک جز وقتی کتابت کا کام کرنے والے کاتب کی رہائش گاہ کے چکر مہینہ میں کئی بار کاٹنے پڑتے ہیں کہ الحق کی کتابت مکمل ہو سکے۔ دوسری طرف جناب ایڈیٹر الحق جو دارالعلوم حقانیہ کے انتظامی امور کے علاوہ تدریس کی ذمہ داریوں کے ساتھ علاقہ کے بیشمار مسائل اور پھر مہمانوں کی ہر وقت آمد و رفت اور اسفار وغیرہ گوناگوں مصروفیات میں گھرے رہتے ہیں اور اسی بھاگ دوڑ میں بعض اوقات ایڈیٹر صاحب اپنے سفر کے دوران ایک ایک اور آدھے آدھے صفحہ کا مسودہ لکھ کر کاتب کے نام سپرد ڈاک کر دیتے ہیں کہ کسی طرح کتابت کا سلسلہ قائم رہے اور الحق کی اشاعت میں تاخیر نہ ہو۔ کتابت شدہ مضامین کی پروف ریڈنگ زیادہ تر سفر کے دوران ہی کرتے ہیں۔

کتابت کے دشوار گزار مراحل سے گذرنے کے بعد طباعت کے لیے پرچہ اکوڑہ خٹک سے ۴۸ کلومیٹر دور پشاور میں واقع ایک پریس کے سپرد کیا جاتا ہے جہاں طباعت اور بائنڈنگ پر ہفتہ عشرہ سے زیادہ لگ جاتا ہے۔ اس طرح وقت کے ضیاع کے ساتھ ساتھ قارئین کا انتظار بھی شدید ہونے لگتا ہے اور شکایتی خطوط کی یومیہ شرح بڑھتی جاتی ہے۔ مگر قارئین کے خطوط کی تلخی ہمارے حوصلوں کو مہمیز کا کام دیتی ہے کیونکہ ان کا غصہ درحقیقت ان کی محبت اور الحق کے ساتھ دلی لگاؤ کی دلیل ہے۔

پرچہ پریس کے جاں گسل ادوار سے نکل کر اکوڑہ خٹک اپنے دفتر پہنچتا ہے جہاں کوئی اتنا بڑا ڈاکخانہ نہیں جس کا سٹاف ہزاروں کی تعداد میں بھیجے جانے والے پرچہ کو ایک دن میں نمٹا سکے۔ اس وجہ سے الحق سے بھرے ہوئے ڈاک کے بیگ کئی کئی دن لٹکتے رہتے ہیں، یا پھر ادارہ اپنے طور پر انتظامات کے تحت ڈاکخانہ والوں کا ہاتھ بٹاتا ہے تاکہ ایک ہی دن میں ترسیل ہو۔ بہرحال ایسی کئی ایک مشکلات جنہیں ایڈیٹر صاحب اور ادارہ حل کرنے میں کوشاں ہیں کی وجہ سے پرچہ کی اشاعت میں تاخیر ہو ہی جاتی ہے۔ بلاشبہ ایسے نامساعد احوال میں کہ پرچہ کے وسائل تو کیا محدود سے محدود وسائل بھی نہ ہوں، نہ رجال کار ہوں اور نہ ماحول ہو، کسی ایسے پرچے کا بارہ سال تک زندہ رہنا بھی اور اسی سج دھج کے ساتھ جو روز اول سے تھا کہ اس کا معیار بھی نہ گرنے پایا، محض خداوند کریم کے بے پناہ فضل و کرم کی دستگیری اور اس کے چلانے والے کے نہ ختم ہونے والے جذبہ جہد و عمل کا نتیجہ ہے، ورنہ کتنے لوگ ہیں کہ دوچار سال ہی میں حالات کے سامنے سپر انداز ہو جاتے ہیں۔

الغرض یہ تو بعض ایسی مشکلات تھیں جو اکثر الحق کے ساتھ ساتھ رہتی ہیں مگر گذشتہ پانچ چھ ماہ تو جس شورا شوری میں گذرے اس میں الحق کی اشاعت میں تاخیر پر جناب ایڈیٹر صاحب اور ادارہ سے شکوہ کرنا بھی ظلم ہے۔

جنوری کی پہلی دہائی میں وزیر اعظم بھٹو نے قومی اسمبلی توڑ کر نئے انتخابات کا اعلان کر دیا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ جنہوں نے دارالعلوم کے تدریسی، علمی اور اپنی روحانی مصروفیات کے ساتھ ضعف اور طویل امراض اور پھر مخصوص طبیعت کی بناء پر اسمبلی کی رکنیت کا کوئی لمحہ بھی طیب خاطر سے نہیں گوارا کیا اور پچھلی مرتبہ ۱۹۷۰ء کے انتخاب کے لیے بھی بڑی مشکل سے اکابر جمعیۃ العلماء اسلام اور عامۃ المسلمین نے بے حد اصرار پر انہیں آمادہ کیا تھا۔ اب اسمبلی کے ٹوٹنے کے اعلان سے انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور طبیعت ہشاش بشاش ہوگئی، مگر ادھر آپ پنڈی سے اکوڑہ خٹک تشریف لائے ادھر چند ہی دن میں پاکستان قومی اتحاد اپنے اجلاس پشاور میں جس سیٹ پر سب سے پہلے متفق ہوا وہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ ہی کی سیٹ تھی۔ اسی وقت حضرت مولانا مدظلہٗ نے حضرت مفتی صاحب اور دیگر حضرات سے باصرار اپنی معذرت پیش کی، مگر جتنا اصرار بڑھتا گیا اتنا ہی ان حضرات نے اپنے فیصلہ کو حتمی اور ناقابل واپسی ہونے پر اصرار کیا۔ پھر حضرت شیخ الحدیث نے اپنے حلقۂ انتخاب کے مخلصین احباب کو جمع کیا۔ ان کے سامنے بھی یہی صورت پیش آئی، آپ حلفاً اپنی مجبوریاں پیش کرتے رہے اور ادھر سے اصرار بڑھتا رہا۔ ادھر بعض لوگوں نے مولانا مدظلہٗ کے ضعف اور معذرت کو دیکھ کر جناب ایڈیٹر صاحب کا نام پیش کیا۔ مگر وہ اپنے لیے بھی اور حضرت مولانا مدظلہٗ کے لیے بھی اس انتخابی سیاست میں مزید الجھ جانے کو پسند نہیں کرتے تھے

کر دونوں صورتوں میں انتخابی سیاست کی خاردار جھاڑیوں سے الجھنا اور اسے عبور کرنے کا مشکل کام ایڈیٹر صاحب ہی کو انجام دینا پڑتا ہے، اور وہ اپنے تعلیمی، تدریسی اور تصنیف و تالیف اور صحافت کے مشاغل کو انتخابی ہنگاموں اور سیاسی جھمیلوں پر ترجیح دینا چاہتے ہیں۔ لیکن وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ کاغذات نامزدگی داخل کرنے کی تاریخ سے ایک رات قبل جمعیۃ کے بعض اکابر نے آکر انتہائی عجز و الحاح سے حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کو کاغذات داخل کرنے پر مجبور کر دیا کہ اسمبلی میں آپ کے بابرکت وجود سے نفس کی موجودگی بھی خیر و برکت کا باعث ہوگی اور کسی مسئلہ میں اسلام کے لیے آپ کا ہاتھ اٹھانا بھی کافی ہوگا۔ مقابلہ میں اس وقت کے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ اور حکمران پارٹی کے صوبائی صدر جناب نصر اللہ خان خٹک تھے جو ۱۹۷۰ء میں بھی مولانا مدظلہٗ سے ہار چکے تھے اور اب جیسا کہ معلوم ہوا ہے وہ اپنے چیئرمین بھٹو صاحب سے مجبور تھے اور اضطراراً انہوں نے حضرت شیخ الحدیث سے مقابلہ کے مرگِ مفاجات کو قبول کیا۔ اس وقت حکمران پارٹی بظاہر اپنے عروج کے انتہا پر تھی بھٹو صاحب خود بھی بلامقابلہ آئے اور ان کے چاروں وزراء اعلیٰ کے لیے بھی یہی پالیسی طے ہوئی کہ پارٹی کے کسی وزیر اعلیٰ کی شکست کی صورت میں حکمران پارٹی کی ساکھ کو بین الاقوامی طور پر نقصان پہنچتا ہے۔ بہر صورت حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے تو کاغذات داخل کر دیئے آگے انتخابی معرکہ کارزار کو سر کرنا اور اس کی دشوار گذار گھاٹیوں کو عبور کرنے کا کام تو چار و ناچار مولانا سمیع الحق صاحب کے گلے پڑنا تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اب وہ کمرِ ہمت باندھ کر اتنی ہی شدت سے انتخابی معرکوں میں کود پڑے، جس شدت سے حریف سے مقابلہ تھا۔ حریف ہر طرح سے اسلحہ سے لیس تھا، صوبائی حکومت کا سربراہ اور مرکزی حکومت کا نمائندہ ہی نہیں بلکہ چہیتا، لاکھوں کے فنڈ اور سرکاری وسائل ان کے پاس اور اس بیدردی سے حریف نے ان وسائل سے فائدہ اٹھایا کہ اخبار نوائے وقت (۱۹ فروری) کے بقول حلقۂ انتخاب کے کسی ایک چھوٹے سے قصبہ کے جلسہ کے لیے ایک سو بیس ٹرک پکڑے گئے۔ سرکاری محکموں کی جیپ اور گاڑیاں الگ مخالفت میں شب و روز دوڑ رہی ہیں۔ اِدھر انتظامیہ، اے سی اور ڈی سی، آئی جی سے لے کر کمشنر اور گورنر تک حریف کی کامیابی میں حیران و سرگرداں (مولانا مدظلہٗ کے جعلی واپسی کے کاغذات داخل کرنے اور بھگتانے میں بھی ان سب لوگوں نے حریف کے لیے آلۂ کار ہونے کا فریضہ انجام دیا) حریف امیدوار نے پشاور کا وزیر اعلیٰ ہاؤس چھوڑ کر نوشہرہ کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا۔ کئی ٹیلی فون لائنیں لگ گئیں۔ پولیس کے بڑے بڑے افسر تحصیل نوشہرہ کے مفلوک الحال اور پسماندہ بستیوں میں جا جا کر غریب لوگوں کو دھونس سے وزیر اعلیٰ صاحب کو کامیاب کرنے کے احکام نافذ کرتے۔ خود وزیر اعلیٰ صاحب انتخابی مہم میں جہاں بھی جاتے ہسپتالوں، سڑکوں، سکولوں، آبنوشی، بجلی، صحت، تعلیم کے منصوبوں کے ہوائی طومار باندھتے۔ ان دنوں مشہور تھا کہ وزیر اعلیٰ صاحب گاڑی میں اپنے ساتھ فیتہ اور چونا بھی رکھتے ہیں، اور جہاں کسی گاؤں میں لوگوں کا مطالبہ سنا یا کسی ضرورت کا احساس ہوا تو وہاں فیتہ سے کوئی زمین ناپ کر چونے سے نشان لگوا لیتے کہ یہی سکول اور ہسپتال ہے، بس صرف بننے کی دیر ہے۔ اس ضمن میں وزیر اعلیٰ صاحب نے پبّی کے نواحی دیہات کے ایک دن کے دورے میں جن منصوبوں اور ترقیاتی سکیموں کا دیہاتی باشندوں کے سامنے اعلان کیا، ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کے لیے کم از کم دس کروڑ روپے درکار تھے۔ یہ نہ ہو سکتا تھا نہ ان وعدوں کے پیچھے تکمیل کا کوئی داعیہ تھا۔ مگر دیہاتی باشندوں کو کسی طرح مولانا مدظلہٗ سے کاٹ کر ووٹ حاصل کرنے کی ہر وہ سعی جو حریف امیدوار کر سکتا ہے اس نے اس میں کوئی کوتاہی نہ کی۔

بہر حال ایسے حریف سے مولانا سمیع الحق صاحب جو ساری انتخابی مہم کے انچارج تھے کو تحصیل کے مخلص، بے لوث ورکروں، رضا کاروں اور حضرت مدظلہٗ کے فدائیوں سے نمٹنا پڑا جب کہ خود مولانا کے پاس ایک دو ٹوٹی پھوٹی گاڑیوں کے علاوہ ایک جیپ تک نہیں تھی۔ اور یہ تو بعد کی باتیں ہیں ——— کاغذاتِ نامزدگی سے لے کر کاغذات کی واپسی ۲۹ جنوری تک وہ کیا کچھ تھا جو حریف نے حضرت مدظلہٗ کو راستہ سے ہٹا کر خود بلامقابلہ منتخب ہو جانے کے لیے نہ کیا۔ حضرت مدظلہٗ تو علالت کی وجہ سے گھر ہی میں رہے اور ان لوگوں سے بالکل پس پردہ، جن کی ذاتِ بابرکات وزیر اعلیٰ اور اس کے حواریوں کی رسائی بھی نہ ہو سکی، مگر ان دنوں تحریص و ترغیب اور ڈرانے دھمکانے کی کوئی ایسی صورت نہ تھی جس سے براہِ راست مدیر صاحب کو گذرنا نہ پڑا ہو عموماً یہ حملے رات کو ہوتے تھے اور دن کو بھی تعاقب جاری رہتا تھا ——— مرکز میں وزارت، سینٹ کی ممبری، صوبائی ممبری، دار العلوم کو موجودہ معیار سے دس گنا ترقی دینے کے نام سے "اسلام کی دردمندی" کے لبادہ میں طول طویل رقومات کی پیشکش، علیٰ ہذا القیاس۔ مگر ایڈیٹر صاحب ایجنٹوں کی کوئی بات سنے بغیر ہی ایک خندۂ استہزا سے انکے ظرف اور ذہنیت کے پرخچے اڑا دیتے اور کہتے کہ اللہ کے بندو مسئلہ کسی ایک سیٹ کا نہیں، یہ تو شاہ ولی اللہ شہیدؒ اور شیخ الہندؒ کی تحریک ہے۔ مجدد الف ثانی کا دیا ہوا درس ہے اس کی کوئی قیمت دنیا نے حقیر کی

منڈی میں لگائی ہی نہیں جاسکتی۔ پھر دھمکیوں پر بات آجاتی —— یعنی دارالعلوم کو اصطبل بنانے (نعوذ باللہ) اور قتل و قتال کے امکانات۔ مگر آپ کہتے کہ کوئی بات نہیں، اب تو حضرت شیخ الحدیث کے گھر کے ادنیٰ سے ادنیٰ فرد اور سب سے چھوٹا بچہ راشد (مدیر الحق کے فرزند) بھی اس راہ میں لگ جائیں تو زہے نصیب۔ پھر جرگوں کی بات ہوتی کہ ہم ملک کے معزز ترین افراد بشمول چیئرمین بھٹو صاحب کا جرگہ مولانا کے سامنے لائیں اور مولانا مدظلہ دستبردار ہو جائیں۔ یہ سب حربے ناکام ہوگئے اور حریف ہر لحاظ سے اپنے آپ کو مقابلہ کے میدان میں ہارنے لگا، تو ۲۸ جنوری کو بعجلت تمام نہایت ناقص منصوبہ کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی طرف سے "وزیر اعلیٰ صاحب" کے حق میں دستبردار ہونے کے کاغذات داخل کرا دیئے۔ ریٹرننگ آفیسر اے سی صاحب نوشہرہ بھی ان کے چشم و ابرو کے اشارہ پر چلنے والے وکیل بھی اور گواہ بھی۔ ان کے انتخابی ورکر خود ہی منصف خود ہی گواہ۔ ۲۹ جنوری کو صبح سویرے فون کی گھنٹی بجی، ایڈیٹر صاحب نے ریسیور اٹھایا، پنڈی سے ایک جان نثار چیخ رہا تھا کہ اخبارات اور ریڈیو سے مولانا مدظلہ کی دستبرداری کا اعلان کیسے ہوا۔ یہ اس دن کے اخبارات کی ہیڈ لائن تھی اور اسی شہ سرخیوں کو پشاور ریڈیو نے صبح صبح نشر کر دیا تھا۔ یہ اطلاع ایک بم سے کم نہ تھی۔ دشمن نے ہر طرح ناکامی دیکھ کر دجل و فریب کی آڑ لی تھی اور اس کا نشانہ بھی اب حضرت مولانا مدظلہ سے زیادہ بے چارے ایڈیٹر الحق ہی بننے والے تھے۔ خیالات اور دلوں کی دنیا پر کسی کا پہرہ ہوتا نہیں، اب جتنے منہ اتنی باتیں، اور باتیں نہ بھی تو دل و دماغ تو ہر طرح کے خیالات کو ہضم کر سکتے ہیں مگر ایڈیٹر صاحب نے اللہ کا نام لے کر لحاف دُور پھینک دیا اور اس شدت سے آخر تک اس دجل و فریب کا دو ہفتے تک دن رات ایک کرکے مسلسل تعاقب کیا کہ جب تک اسلام آباد کے الیکشن کمیشن کے آڈیٹوریم ہال میں اس پر فریب جعلسازی کے پرخچے نہیں اڑے، اس وقت تک دم نہ لیا۔ اسی دن حضرت مفتی محمود صاحب پشاور میں تھے۔ یہ خبر سنتے ہی صبح صبح نوشہرہ پہنچے۔ حضرت شیخ الحدیث نے فوراً تردیدی بیان جاری کیا۔ مجمع میں تردیدی تقریر کی۔ حضرت مفتی صاحب نے پشاور میں پریس کانفرنس بھی کی۔ مدیر صاحب نے اسی دن وزیر اعظم اور الیکشن کمشنر کو تار دیئے۔ الیکشن کمشنر سجاد صاحب سے فون پر حضرت مفتی صاحب نے بات کی۔ یہ سب تفصیلات اخبارات اور رسائل میں آتی رہی ہیں۔ یہاں تک کہ مولانا مدظلہ کیساتھ اس فریب کاری کی گونج بی بی سی اور وائس آف امریکہ، ریڈیو جرمنی سے بھی سنائی دی۔

کیس چیف الیکشن کمشنر کے پاس گیا، نہایت مختصر وقت میں کیس کی دستاویزی تیاری اور ۵-۵ فائل مکمل کرانے کا چیف صاحب نے دوسرے دن تک داخل کرانے کا حکم صادر کیا۔ اور اب ایڈیٹر صاحب کو ایک نئے تجربہ (عدالت، کچہری، وکلاء وغیرہ) سے دوچار ہونا پڑا —— حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو ایک دوست کی جگہ ٹھہرا کر آپ نے چوبیس گھنٹے میں کیس کی تیاری کا معرکہ بھی سر کر لیا۔ دوسرے دن ۴ بجے تک کئی سو بیانات حلفی فوٹو سٹیٹ اخبارات کے تراشے اور مدلل دعویٰ بنام وزیر اعلیٰ کے فائل تیار ہو گئے۔ خدا نے بھی ہر طرح مدد فرمائی۔ ایڈیٹر صاحب نے احتیاطاً اے کے بروہی صاحب (جو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے دل و جان سے معتقدین میں سے ہیں) سے بھی کراچی فون پر بات کی —— انہوں نے فرمایا کہ میں کل راولپنڈی میں ہوں گا، انٹرکانٹیننٹل میں ملئے، دوسرے دن انہوں نے حالات سنے تو حضرت کے تعلق کی وجہ سے آبدیدہ ہو گئے اور ایڈیٹر صاحب کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اپنے دل کے اوپر کافی دیر تک لگائے رکھا۔ حاضرین مجلس سے کہہ رہے تھے کہ دیکھئے کیسے کیسے لوگ ان حالات کا شکار ہو گئے؟ اب اوروں کی کیا بات کی جائے۔ پھر مدیر صاحب سے کہا کہ اس کیس کا یہاں عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ نہ ہوا تو میں اسے خود آگے عدالت میں لیکر جاؤں گا۔ اور مولانا مدظلہ سے کہئے کہ "آپ کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پورا اختیار دیا ہے اگر ضرورت سمجھیں تو جب چاہیں بلالیں۔ مجھے حکم دیں میں آجاؤں گا ——" مسئلہ الیکشن کمیشن میں پیش ہوا۔ جناب سجاد احمد جان چیف الیکشن کمشنر عبد الحفیظ میمن جسٹس سعد سعود جان پر مشتمل کمیشن کے سامنے حضرت شیخ الحدیث پیش ہوئے۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اہم ترین عدالت میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے اپنے اساتذہ حضرت مدنیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ جیسے بزرگوں کی سنتوں کی تعمیل کروائی کہ عمر کے آخری ادوار میں عدالتوں کے مراحل سے بھی دین کے لیے گذریں۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو حق تعالیٰ نے اولیاء اللہ کی جن ظاہری انوار و علامات سے بھی نوازا ہے اور خدائی ہیبت وہ یہاں بھی کام آئی۔ جناب چیف الیکشن کمشنر نے سماعت شروع ہونے سے قبل نہایت ادب و احترام سے مولانا مدظلہ کو مخاطب کیا اور فرمایا آپ کرسی پر آرام سے تشریف رکھ کر کارروائی میں حصہ لیں۔

کارروائی شروع ہوئی جو ساڑھے چار گھنٹے تک جاری رہی۔ مولانا مدظلہ کے وکیل جناب بشیر احمد انصاری تھے اور اعزازی طور پر جناب سینیٹر اور بیرسٹر ظہور الحق بار ایٹ لاء اور دیگر وکلاء بھی آخر تک موجود رہے۔ مخالف فریق اپنے طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ وکلاء کو لا چکے تھے۔

یہاں حق و صداقت ایسا نمایاں رہا کہ الیکشن کمیشن کے سربراہ سمیت دیگر ارکان خود مولانا مدظلہٗ کے گویا وکیل بن گئے۔ مخالف فریق کے بے سر و پا جرحوں کا خود چیف صاحب نوٹس لیتے رہے اور ڈانٹتے رہے۔ پھر خود حضرت شیخ الحدیث نے جس سادے اور موثر مختصر جوابات دیئے اس سے بھرے ہوئے ہال میں داد و تحسین کی آوازیں گونجنے لگ جاتیں۔ اس کارروائی کا کچھ نہ کچھ حصہ اخبارات میں شائع ہوا تو کمیشن کا فیصلہ دینے سے قبل بھی جس نے اسے پڑھا اس نے یہی کہا کہ اب رسمی اعلان باقی ہے۔۔ مولانا مدظلہٗ کو خدا نے اس کیس میں فتح دی، حق واضح ہو گیا۔ آگے فیصلہ جو بھی ہوا اس کو چیف الیکشن کمشنر نے ایک اہم پریس کانفرنس بلا کر اس مقدمہ میں مولانا مدظلہٗ کو حق بجانب قرار دینے کا اعلان کیا، اور مولانا کے نام پر واپسی کے کاغذات کو جعلی اور غیر قانونی قرار دیا، اور وزیر اعلیٰ صاحب کو بادلِ نخواستہ ایک ایسی شخصیت کے ساتھ مقابلہ پر مجبور ہونا پڑا، جو خود الیکشن کے دوران اپنی دینی بے احتیاطی کم علمی یا جذبات میں مغلوب ہو کر بے شمار لوگوں کے سامنے یہ کہتے پھرتے رہے کہ میں کیسے مقابلہ کروں اور جیتوں جبکہ "نعوذ باللہ" میرے مقابلہ میں تو پیغمبر کھڑا ہو گیا ہے ———

چیف الیکشن کمشنر کی طرف سے شیخ الحدیث مدظلہٗ کے حق میں فیصلے کا اعلان غالباً ۱۲ر مارچ کو گیارہ بجے صبح کی خبروں میں ہوا اور اس کے ساتھ ہی دوسرے کیس مولانا جان محمد عباسی بنام وزیر اعظم بھٹو میں کمیشن نے فیصلہ بھٹو صاحب کے حق میں دیا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت کے حق میں فیصلہ اس لیے محفوظ رکھا گیا تھا کہ دونوں مقدموں کا ایک ساتھ اعلان ہو اور وزیر اعظم کے حق میں فیصلہ کی تلخی میں وزیر اعلیٰ کے خلاف فیصلہ دینے سے کچھ اعتدال پیدا کیا جائے۔ بہرحال اعلان ہوتے ہی مولانا مدظلہٗ کے حلقہ انتخاب میں خوشی کی ایک عظیم لہر دوڑ گئی۔ لوگ جشنِ فتح منانے کے انداز میں حضرت مدظلہٗ کے مکان پر دوڑ پڑے۔ حضرت نے ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے کسی کے خلاف نعروں سے بڑا دکھ ہوتا ہے ہمیں کبھی غرور نہیں کرنا چاہیئے۔ صحابہ کرام کو اپنی کثرت کا خیال ہوا تو حنین میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے فرمایا کہ کسی کے بارے میں مردہ باد کا نعرہ ہرگز نہ لگایا جائے اور اس کامیابی پر اللہ کی حمد ادا کی جائے"۔

بہرحال پھر الیکشن کا معرکہ گرم ہوا۔ حلقۂ انتخاب تحصیل نوشہرہ اٹک سے پشاور تک ——— اور شمال میں مردان اور جنوب مشرق میں کیمبلپور / جنوب مغرب میں کوہاٹ کے ضلعوں تک پھیلا ہوا پانچ چھ سو دیہات اور پہاڑی علاقوں پر مشتمل ایک ایک دن میں جناب ایڈیٹر صاحب اور دیگر حضرات کو دس دس مقامات پر جلسوں سے خطاب کرنا پڑا ———

۷ر مارچ کو الیکشن ہوا اور ان بے مثال دھاندلیوں کے باوجود جس نے پورے ملک کو اس عظیم بحران میں ڈال دیا اور ساری مشکلات کے باوجود حق تعالیٰ نے ایک فقیر بے نوا بندۂ حق کو وزیر اعلیٰ کے مقابلہ میں نمایاں کامیابی دی اور مولانا مدظلہٗ نے انچاس ہزار چوبیس یعنی تقریباً ۵۰ ہزار ووٹ حاصل کیے جبکہ کم از کم بیس ہزار حریف نے دھاندلی میں ہضم کیے۔ صوبائی انتخابات کے بائیکاٹ کے بعد تحریک شروع ہو گئی۔ یہاں کی انتظامیہ الیکشن میں مار کھا چکی تھی اور وزیر اعلیٰ نصر اللہ خٹک سمیت سب کی نظرِ عتاب مولانا سمیع الحق پر تھی۔ ۱۱ر مارچ کی رات کو انکی گرفتاری کے لیے چھاپہ مارا گیا۔ اس رات اتفاق سے آپ گھر میں نہیں تھے۔ حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا، میں حاضر ہوں گرفتاری کے لیے۔ پولیس نے معذرت اور ندامت کے ساتھ کہا کہ نہیں، مولانا سمیع الحق نہیں ہیں تو متبادل کوئی فرد دیا جائے کہ اوپر سے ہم مجبور ہیں۔ چنانچہ اسی رات مولانا کے چھوٹے بھائی مولانا انوار الحق مدرس دار العلوم حقانیہ کو گھر سے گرفتار کر کے نوشہرہ اور پھر چند دن بعد وہاں سے ہری پور جیل منتقل کیا گیا اور دھاندلی کی یہ بھی شرمناک مثال کہ جن کا نام تک پولیس کے پاس نہیں تھا، نہ وارنٹ اسے گرفتار کرنے کے بعد پولیس نے فردِ جرم دفتر میں بیٹھ کر مرتب کی۔

اس کے بعد تحریک زور شور سے چل پڑی۔ اکوڑہ خٹک سے روزانہ جلوس نکلتے رہے اور دار العلوم حقانیہ کے بہادر طلباء سمیت گاؤں اور مضافات کے لوگ گرفتاریاں دینے لگے حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی دعاؤں کے ساتھ جلوس ان کی مسجد سے روانہ ہوتے۔ پولیس مولانا سمیع الحق کی تاک میں رہی مگر دار العلوم حقانیہ میں داخل ہونے کی اسے جرأت نہ ہو سکی۔

بالآخر مولانا سمیع الحق نے ۲۹ر مارچ کو ایک جلوس کی شکل میں خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ مجھے آپ نے گرفتاری دینے سے بہت روکا مگر مجھے مولانا کی طبیعت کی وجہ سے معلوم تھا کہ انہیں جیل کی اجتماعی اور ہنگامی زندگی میں کتنی دقتیں ہوں گی اور بالآخر انہوں نے اجازت دے دی۔ رات ہمیں اکوڑہ خٹک کے تھانہ میں رکھا گیا اور ایسے مہمانوں کی طرح کہ صبح تک تھانے کا عملہ ہماری پاسداری میں لگا رہا۔ صبح پولیس نے اپنی گاڑی منگوائی مگر مولانا سے کہا کہ آپ چاہیں تو اپنی موٹر منگوا لیں، تاکہ آپ کو تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ مولانا نے گھر سے موٹر منگوائی، ان کے برادرِ محترم پروفیسر محمود الحق حقانی پشاور یونیورسٹی ڈرائیونگ کرتے رہے۔ پولیس کی دوسری گاڑی ساتھ تھی اور ہمیں نوشہرہ کی عدالت میں پیش کرنے کے بعد پشاور سنٹرل جیل اور پھر اسی دن وہاں سے جگہ نہ ہونے کی وجہ سے

ہری پور سنٹرل جیل پہنچا دیا گیا۔ ۳۰ مارچ کے ۳ بجے ظہر ہم جیل میں داخل ہوئے۔ ہم سے پہلے اسی دن اخبارات سے گرفتاری کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ سب لوگوں نے نہایت خوشی اور گرمجوشی سے استقبال کیا۔ ہم لوگ جیل کے احاطہ اے ٹی سی کی بارک نمبر ۹ میں حاضر ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب ایڈیٹر صاحب کو دیکھتے ہی نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں نے آج اخبار میں پڑھا تھا اور دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی ہری پور جیل میں بھیجے نے آئے۔ بس اس کے بعد حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی پرلطف، پراز معلومات مجلسیں تھیں اور ہم تھے۔ ویسے تو تمام اسیروں کے لیے مفتی صاحب مدظلہ کے قیام اور وجود نہایت اطمینان اور بہترین تربیت اور سکون قلب کا باعث رہا۔ مگر جناب ایڈیٹر صاحب سے چونکہ آپ کو خاص تعلق خاطر ہے اور طبیعت کھل جاتی ہے اور لطائف و ظرائف سے مجلس کا رنگ ہی اور ہو جاتا ہے۔ عموماً میں اور ایڈیٹر صاحب دن بھر مفتی صاحب مدظلہ کے ساتھ رہتے۔ درس و تدریس کا بازار بھی گرم ہوا۔ اور بقول مفتی صاحب ہری پور جیل، جیل نہیں بلکہ دارالعلوم بن گیا ہے۔

مفتی صاحب مدظلہ کے صاحبزادے مولوی فضل الرحمٰن متعلم دارالعلوم حقانیہ اور دارالعلوم کے کئی اسیر طالب العلموں نے مفتی صاحب سے مشکوٰۃ شریف ہدایہ اور سراجی کا درس شروع کیا۔ جس میں اور بھی کافی علماء اور زعماء بیٹھتے۔ اس کے بعد دو چار گھنٹے مفتی صاحب ترمذی شریف کی عربی شرح لکھتے۔ ملاقاتیوں کے ہجوم کی وجہ سے بڑی مشکل سے کچھ وقت نکلتا۔ مولانا سمیع الحق صاحب کی ہر وقت یہ سعی ہوتی اور جھگڑا جاری رہتا کہ اس کام کے لیے حضرت مفتی صاحب کو زیادہ وقت ملے۔

عصر کے بعد کھلی گراؤنڈ میں حضرت مفتی صاحب نے حدیث کا درس دو ایک دن دیا کہ انتظامیہ نے اس بارے میں اپنی دشواریاں ظاہر کیں۔ اور درس روک دیا گیا۔ جیل میں ۵۔۶ سو تو صرف علماء کی تعداد ہو گی۔ اور مختلف پارٹیوں اور خیالات کے بھی لوگ تھے۔ مگر مفتی صاحب مدظلہ کے درس رک جانے کے بعد یہ قرعۂ فال مولانا سمیع الحق صاحب کے نام نکلا۔ اور سب کی مرضی سے آپ نے یہ درس شروع کیا جو آج تک بالتزام جاری ہے اور نماز عصر کے بعد اے ٹی سی کی وسیع گراؤنڈ میں ہوتا ہے۔ یہی حال نماز جمعہ کا بھی ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نے جیل میں نماز جمعہ کے جواز کے دلائل کو نہایت واضح طور پر پیش کیا اور جمعہ کا آغاز ہوا۔ حضرت مفتی صاحب جمعہ پڑھاتے اور تقریر بھی۔ جس سے ساری جیل کے سیاسی اور اخلاقی قیدیوں کی عظیم تربیت ہونے لگی اور لوگ متاثر ہونے لگے۔ تین خطبات آپ نے دیے جنھیں ایڈیٹر صاحب نے قلم بند بھی کیا ہے۔ مگر ان کے سہالہ جیل منتقل ہونے پر اب جمعہ پڑھانے کا مسئلہ اٹھا۔ مگر اللہ کی شان کہ یہ سعادت بھی ایڈیٹر صاحب کے ذمہ آئی۔ اور علماء کرام و مشائخ و سیاسی زعماء سب نے بخوشی یہ ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی۔ اور آپ جمعہ پڑھانے لگے، اور جمعہ سے قبل گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ حالات حاضرہ پر تقریر بھی مدلل طور پر فرماتے ہیں، جس سے ہر طبقۂ فکر کے لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں۔

دوران اسارت ایک اہم واقعہ مولانا سمیع الحق صاحب اور حاجی فقیر محمد خان صاحب (ایم این اے) کا سابقہ جنرل ٹکا خان حال وزیر دفاع پاکستان کے کہنے پر راولپنڈی جانے کا پیش آیا۔ ۲۴ گھنٹے کا سفر شاہراہ قراقرم کے سلسلہ میں ان خطرات کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے سی ایم ایچ ہسپتال راولپنڈی میں ملانے کے سلسلہ میں تھا۔ دلچسپ سفر کی تفصیل یہ ہے۔

شاہراہ قراقرم جو شاہراہ ریشم بھی کہلاتا ہے، ریشم کی طرح باریک اور سخت دشوار گذار گھاٹیوں اور سربفلک پہاڑوں کے لحاظ سے پاکستان کا گویا پل صراط کہلا سکتا ہے۔ یہ راستہ سوات اور ہزارہ کے کوہستانی علاقوں سے گذر کر پاکستان کو چین سے ملاتا ہے۔ ایوب خان مرحوم کے زمانہ میں پاکستان اور چین کے باہمی معاہدے کے بعد اس کی تعمیر شروع ہوئی۔ اور چین نے بھی اس کی تعمیر میں اپنے سخت جان چینی کاریگروں اور انجنیئروں کو لگایا۔ یہ سڑک ایسے بلند و بالا پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر بنائی گئی ہے کہ جانباز بھی انہیں بے خطر ہو کر عبور نہیں کر سکتے۔ ہیلی کاپٹر بھی ان پہاڑیوں کے دروں سے گزرتا ہے تو اس کی پرواز بعض سڑکوں سے بہت نیچی ہوتی ہے اور اوپر سے کوئی پتھر مار کر بھی اسے گرایا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی گاڑی ذرا سی سڑک سے سرک کر نیچے گر جائے تو کئی کئی ہزار فٹ کی مہیب گھاٹیوں میں اس کے پرزے تک بھی نہ مل سکیں۔ چین کی اہم بین الاقوامی حیثیت اور پاکستان اور چین کے درمیان اس راستہ کی شہ رگ کی طرح اہمیت نے اس شاہراہ کو دنیا میں نازک جغرافیائی حیثیت دے دی ہے۔ قومی اتحاد کی اسلامی تحریک شہروں اور دیہات سے گذر کر جب دور افتادہ سرحدی علاقوں اور ان سربفلک پہاڑوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے چکی جو پاکستان کی سرحدوں کے لیے سد سکندری کا کام دے رہے ہیں تو اس شاہراہ کے متعلق جیل میں بھی افواہیں پہنچنے لگیں کہ اس شاہراہ کے غیور اور مومن کوہستانی باشندوں نے راستہ کو کئی مقامات سے کاٹ دیا ہے۔ یہ خبریں بھی اس علاقہ کے اسیر رہنماؤں کے متعلقین کے ذریعہ پہنچیں۔ کہا جاتا تھا کہ ان لوگوں نے

راستہ کھولنے سے اس وقت تک انکار کیا ہے جب تک کہ موجودہ حکومت مستعفی ہوکر قومی اتحاد کے زعماء بالخصوص اس کے بزرگ اور عالم قائد مولانا مفتی محمود اور ان کے رفقاء کو اسلامی نظام کے نفاذ کا عملی موقعہ نہ دے۔ اس کے بعد ایک دن اچانک گورنر صوبہ سرحد جناب نصر اللہ خان صاحب ہری پور آئے اور جیل سے باہر کے ریسٹ ہاؤس میں ہمارے بزرگ اسیر سابقی کوہستانی علاقہ کے منتخب رکن قومی اسمبلی حاجی فقیر محمد خان صاحب بٹگرام ہزارہ سے ملاقات کی، اور اس شاہراہ کے کھولنے کے سلسلہ میں ان سے مدد چاہی۔ مگر حاجی فقیر محمد خان صاحب نے ایسے کسی تعاون سے معذرت ظاہر کی۔ حاجی فقیر محمد خان صاحب نہایت سلجھے ہوئے، پڑھے لکھے انسان ہیں ــــ دارالعلوم دیوبند میں بھی پڑھ چکے ہیں اور اس زمانہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ سے بھی کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ موجودہ انتخابات میں وہ جمعیۃ العلماء اسلام کے ٹکٹ پر اسی کوہستانی علاقہ سے مولینا عبدالباقی وغیرہ کے مقابلہ میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ جیل کے اسیروں کے مسائل اور انتظامی امور میں بھی آپ بڑی سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ اور اسیران جمعیۃ کی اکثر مشکلات میں ان سے رجوع کرتی ہے۔ جیل میں قائدِ قوم مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ کے آرام و راحت اور ان کے کھانے کا نظم و نسق بھی عموماً ان کے ذمہ تھا۔ اور مولانا سمیع الحق صاحب بھی اکثر اسی احاطہ نمبر ۹ میں ہوتے تھے۔ آپ نے انہیں جیل کے اس احاطہ کے سپرنٹنڈنٹ کا خطاب دیا تھا۔ الغرض ادھر شاہراہِ قراقرم کے بند ہوجانے اور اس کے دُوررس اثرات پر جیل میں اڑتی اڑتی خبریں آرہی تھیں کہ اسی اثناء میں ایک دن ملاقاتیوں میں سے راولپنڈی سے آئے ہوئے کسی شخص نے مولانا سمیع الحق صاحب کو بتلایا کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کا راولپنڈی میں ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور آپ سی ایم ایچ ہسپتال کے وی۔ آئی۔ پی روم نمبر ۲ میں زیرِ علاج ہیں۔

دراصل ہمیں یہ تو معلوم تھا کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں اس ہسپتال میں داخل ہو رہے ہیں۔ بہت عرصہ سے ان کی آنکھوں کو شوگر کی طویل بیماری نے متاثر کیا تھا کئی سال پہلے پشاور میں آنکھوں کے ماہر معالج جناب ڈاکٹر محمد نواز صاحب نے ان کی دائیں آنکھ کا آپریشن بھی کیا مگر کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہو سکا۔ اب بائیں آنکھ بھی موتیا اور پردوں کی زد میں تھی۔ پاکستان کے مشہور معالج چشم جناب بریگیڈیر احمد رضا پیرزادہ صاحب بھی ایک مدت سے آپ کی آنکھوں کا معائنہ کرتے رہے ہیں' ان کا تعلق حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خاندان سے ہے اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے ساتھ ایک نہایت عقیدت مند مرید کی طرح تعلق رکھتے ہیں اور خود ہی نہایت انہماک سے معائنہ کرتے ہیں۔ ان کی خواہش الیکشن سے قبل تھی کہ دائیں آنکھ کا دوبارہ آپریشن کیا جائے جس کا پہلے ہو چکا تھا اور جس میں معمولی سی روشنی باقی رہنے کی امید پر بریگیڈیر صاحب آپریشن کرنا چاہتے تھے۔ ان دنوں طے ہوا کہ آپ ہسپتال میں آپریشن کروائیں۔ اتنا ہمیں معلوم ہوگیا کہ آپ ۲۵ اپریل بروز پیر سی ایم ایچ کے آفیسر وارڈ راولپنڈی میں داخل ہوچکے ہیں مگر ایکسیڈنٹ کی بات ہم سے چھپائی گئی تھی تاکہ جیل میں پریشانی نہ ہو۔ مگر کسی شخص نے اتفاقیہ مولانا سمیع الحق کو بتلادی اور یہ بھی کہا کہ گاڑی آپ کے بھائی مولانا انوار الحق چلا رہے تھے اور دوسرے بھائی پروفیسر محمود الحق بھی ساتھ تھے جنہیں معمولی چوٹیں ہی آئی ہیں۔ ایسی تشویشناک اطلاع سے اور پھر جبکہ جیل کی سلاخوں میں مجبور اور بے بس ہوں، مولانا سمیع الحق صاحب کے لیے پریشانی لازمی تھی۔ انہوں نے آکر چپکے سے مجھ سے اس کا ذکر کیا اور یہ کہ انہوں نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل سے عصر کے بعد سی ایم ایچ راولپنڈی فون کروانے کا کہا ہے' اور انہوں نے بخوشی اجازت دے دی ہے۔

وقت عجیب کشمکش میں گذرا۔ عصر کی نماز کے بعد حسبِ معمول مولانا سمیع الحق صاحب نے احاطہ ۱ے بی سی کے وسیع گراؤنڈ میں درسِ حدیث دیا۔ درس سے فراغت کے بعد آپ نے حاجی فقیر محمد خان صاحب کو' جو درس میں موجود تھے' ایکسیڈنٹ کی بات بتلادی' وہ بھی فون کرنے ساتھ چل پڑے۔

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب دفتر میں موجود تھے انہوں نے سی ایم ایچ راولپنڈی کا نمبر معلوم کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں ٹیلی فون انکوائری سے بات کرنے کو ریسیور اٹھایا۔ پھر آپ کچھ دیر کسی سے بات کرتے رہے۔ فارغ ہونے کے بعد حیرت سے حاجی فقیر محمد خان صاحب اور مولانا سمیع الحق سے کہا کہ عجیب قسمت ہے آپ کی' مجھ سے سپرنٹنڈنٹ جیل بات کر رہے تھے کہ سابق جنرل ٹکا خان کا فون آیا ہے کہ آپ لوگوں کو سی ایم ایچ راولپنڈی مولانا عبدالحق صاحب کے پاس فوراً پہنچا دیا جائے۔ اسے مولانا مدظلہٗ کی کرامت اور اللہ کے خاص فضل کے سوا کیا کہا جائے کہ جہاں جیل سے باہر فون سے بات کرنی بھی مشکل تو وہاں اب ان حضرات کو مولانا صاحب مدظلہٗ کے پاس بہت جلد پہنچنے کی صورت بھی نکل آئی۔ یہ حضرات فوراً معاملہ سمجھ گئے' کہ شاہراہِ قراقرم کے سلسلہ میں مولانا مدظلہٗ کے پاس جانے کے لیے کہا

کیا ہو گا۔ اس کے بعد سپرنٹنڈنٹ جیل اپنے دفتر میں تشریف لائے۔۔ شام کا وقت قریب تھا۔ مولانا سمیع الحق صاحب کا تعلق پشاور سے تھا، اس لیے وہاں کے حکام سے اجازت لینی ضروری سمجھی گئی۔

سپرنٹنڈنٹ جیل نے جنرل ٹکا خان سے بات کی۔ انہوں نے گورنر سرحد سے بات کی اور گورنر سرحد نے کہا کہ میں نے ڈی سی پشاور سے کہا ہے کہ وہ ابھی احکامات جاری کر دے کہ انہیں جلد از جلد جیل سے پنڈی جانے کے لیے کاغذات تیار ہو سکیں۔ جنرل ٹکا خان صاحب کے حکم پر سپرنٹنڈنٹ جیل براہ راست متعلقہ حکام سے پوچھے بغیر یہ کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔ اور حاجی فقیر محمد خان صاحب بھی مولانا سمیع الحق صاحب کے بغیر اس سفر سے انکار کر رہے تھے۔ یہ قدرت کا عجیب انتظام تھا کہ ابھی ۵ بجے کی خبروں میں آیا تھا کہ سابق جنرل ٹکا خان صاحب نے سینٹ کے "ممبر" منتخب ہو جانے کے بعد ملک کے وزیر دفاع کا عہدہ سنبھال لیا ہے۔ جنرل صاحب کے سامنے حلف اٹھانے کے بعد سب سے پہلے فوجی معرکہ شاہراہ قراقرم کا تھا جسے آپ کسی طرح حل کرنا چاہتے تھے اور ان کے پہلے ہی مشاغل اور احکامات مولانا سمیع الحق کی ان کے والد بزرگوار مدظلہ سے ملاقات کا ذریعہ بن گئے۔ ورنہ فطری طور پر کیا کیا پریشانیاں اور وسوسے ہوتے کہ مولانا مدظلہ کی صحت کیسی ہے اور ایکسیڈنٹ کی کیا نوعیت ہے؟

الغرض شام کے بعد ایبٹ آباد سے پولیس گارد اپنی جیپ سمیت جیل کے دروازے پر پہنچ گئی۔ نو ساڑھے نو بجے رات جیل کے حکام نے ان دونوں کو راولپنڈی جانے کے لیے رخصت کیا۔ دونوں حضرات رات کے ساڑھے دس بجے راولپنڈی کے سی ایم ایچ پہنچ گئے۔ بعض فوجی حکام کمرے کے پیچھے ہی منتظر تھے اور دونوں کو شیخ الحدیث مدظلہ کے کمرہ میں لے گئے۔ اس سے قبل شاہراہ قراقرم کے ایریا کمانڈر میجر جنرل صفدر بٹ جو کافی دیر سے شیخ الحدیث مدظلہ کے کمرے میں موجود تھے اور ان لوگوں کے پہنچنے کا انتظار کر رہے تھے، نے شیخ الحدیث کو بتلا دیا تھا کہ حضرت اگر آپ برا نہ مانیں تو ہم بتلا دیں کہ آپ کے صاحبزادہ صاحب بھی ہری پور جیل سے آ رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے تو خوشی ہو گی۔

بہر حال ان دونوں کے پہنچنے کے بعد فوجی حکام کمرہ سے باہر چلے گئے۔ اور حضرت شیخ الحدیث نے انہیں بتلایا کہ پرسوں صبح صوبہ سرحد کے گورنر جناب نصر اللہ خان بابر میرے پاس آئے اور کافی دیر تک بیٹھے رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں کوہستان سے اطلاعات ملی ہیں کہ شاہراہ قراقرم کو آپ کے کسی فتویٰ یا مشورہ پر عمل کرتے ہوئے بند کیا گیا ہے اور یہ کہ جب تک مولانا عبد الحق صاحب کی کوئی تحریری ہدایت نہیں ملے ہم ان رکاوٹوں کو ہرگز ہٹانے پر تیار نہیں ہوں گے۔

مولانا مدظلہ نے ان سے کہا کہ اگر میری کوئی ایسی تحریر آپ کے پاس موجود ہے تو اسے لاکر دکھا دیجئے۔ ویسے میں کیسے کوئی ہدایت جاری کر سکتا ہوں۔ بہر حال دو ڈھائی گھنٹہ کی گفتگو کے بعد شیخ الحدیث مدظلہ نے گورنر صاحب کو مشورہ دیا کہ میں اس سلسلہ میں کسی تعاون سے معذور ہوں۔ مسئلہ قومی اتحاد اور قومی سطح کا ہے۔ آپ اس علاقہ کے جمعیۃ العلماء اسلام کے ایم این اے حاجی فقیر محمد صاحب سے ہری پور جیل جا کر ملیں، اور وہ اس سلسلہ میں قائد اتحاد مولانا مفتی محمود صاحب کے مشورہ سے کوئی قدم اٹھائیں۔ اس کے بعد گورنر صاحب مولانا مدظلہ کے مشورہ پر راولپنڈی سے سیدھے ہری پور جیل آئے اور حاجی صاحب سے ملاقات کی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

گورنر صاحب نے مولانا مدظلہ کو ذاتی تعلقات اپنی عقیدت وغیرہ سب کچھ پیش کیا مگر حضرت صاحب نے فرمایا کہ یہ ملک گیر تحریک ہے اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ہے۔ میں کسی بھی تحریر یا کسی ایسے کاغذ پر دستخط کرنے سے معذور ہوں۔ حضرت مدظلہ نے ان حضرات کو بتلا دیا، کہ گورنر صاحب کے جانے کے بعد یہ جنرل حضرات میرے پاس بار بار آتے رہے اور مجبور کرتے رہے کہ میں خود آپ حضرات سے بات کروں اور اسی سلسلہ میں آپ کو لایا گیا ہے اور اب آپ اپنے صوابدید پر ان سے بات کریں اور اجازت مل سکے تو سہالہ جیل میں مفتی صاحب مدظلہ سے جا کر بات کریں۔ ہمارے لیے تو ناممکن ہے کہ اس عظیم جہاد میں حصہ لینے والے کوہستانی مجاہدین کو شاہراہ کھول دینے کا کہیں۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ الحدیث مدظلہ کے پاس موجود میجر جنرل بار بار شاہراہ کی صورتحال کے بارے میں اپنی پریشانیاں ظاہر کرتے رہے اور اس سلسلہ میں اس علاقے سے آئی ہوئی تحریری اطلاعات بھی بتلاتے رہے۔ جس میں مولانا مدظلہ کے کہنے پر شاہراہ بند کر دینے کا ذکر تھا۔

جنرل صاحب موصوف نے ایک تازہ اطلاع کے حوالے سے بتلایا کہ کوہستانی لوگوں نے ایک چینی بلڈوزر کو ہٹا دیا ہے تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ان سے کہا کہ الحمد للہ کہ جانی نقصان تو نہیں ہوا۔ بلڈوزریں اور گاڑیاں تو ہر روز بے حساب سڑکوں پر چل رہی ہیں۔

اس کے جواب میں جنرل صاحب نے بھارت۔ چین جنگ کا ذکر کیا اور کہا کہ چین نے بھارت کی سرحد پر اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کا مطالبہ کیا تھا۔ الغرض گھنٹہ ڈیڑھ یہ دونوں حضرات حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ساتھ بیٹھے رہے پھر ان سے رخصت لی۔ باہر منتظر فوجی افسروں نے ان سے دریافت کیا کہ کب آپ کا کوہستانی علاقہ میں جانے کا پروگرام ہے؟